چاند پر بادل

احمد شجاع پاشا

سنگ میل پبلی کیشنز، چوک اردو بازار، لاہور

ضابطہ

طبع اوّل : ۱۹۸۴ء

تعداد : گیارہ سو

مطبع : شرکت پرنٹنگ پریس، لاہور

طابع : نیاز احمد

سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور

قیمت : ۳۵ روپے
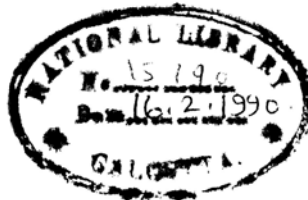
پروفیسر نجمیؔ صدّیقی کے نام

از خاطرِ ما عیشِ بہاراں نشود محو
وز لوحِ نظر صورتِ یاراں نشود محو

○

چاند کی تنہائیوں کا غم ہمیں سہنا پڑا
نیند کی کوشش میں شب بھر جاگتے رہنا پڑا

ہم زباں بستہ تھے اک مدّت سے لیکن ایک دن
ایسی مجبوری تھی جو سوچا وہی کہنا پڑا

کس قدر برہم تھا طوفانِ عواصف کا مزاج
ساتھ دریا کے کناروں کو بھی اب بہنا پڑا

خواب جو دیکھے تھے ان خوابوں کی تعبیروں کے ساتھ
زندگی بھر خواب سا بن کے ہمیں رہنا پڑا

مصر کے بازار کا منظر تھا شاید سامنے
ہم کو اپنے شہر کی گلیوں میں چُپ رہنا پڑا

راہِ سیلِ غم میں ہم ہی تھے سبکما یہ ہمیں
ہمرکابِ سیل تنکوں کی طرح بہنا پڑا

رہزنِ طرّار میر قافلہ جیسے بنے
اس سکوں بربادکو تسکینِ جاں کہنا پڑا

○

باعثِ تسکینِ جاں بھی ہے ستم پرور بھی ہے
یاد مرہم بھی ہے زخموں کیلئے نشتر بھی ہے

زندگی میری کسی سے مستقل وابستگی
آستاں اس کا مرا معبد بھی ہے محور بھی ہے

یوں تو ہے ظلمت کدہ گہوارۂ حرماں و یاس
تیری نسبت سے مرا دل روشنی کا گھر بھی ہے

وحشتیں صحرا کی ویرانی سے ہیں نامطمئن
ان سے کہدو کچھ پرے صحرا سے میرا گھر بھی ہے

زخم دل کے پھول ہوں جیسے قطار اندر قطار
پھول سا کھلتا ہوا اک زخمِ چشمِ تر بھی ہے

کون دیوانہ تھا لوگوں کے تمسخر کا ہدف
شہر کی تاریخ میں کچھ ذکرِ سنگ و سر بھی ہے

چارہ گر آسودگی سمجھے توکّل کو مرے
دل کی بربادی کا کچھ الزام میرے سر بھی ہے

شہر پر ہے رحمتِ بارانِ اندوہ و الم
جو برونِ در ہے منظر وہ درونِ در بھی ہے

اس سعادت سے سے محروم کر سکتا ہے کون
آسماں کی چھت غریبِ شہر کے سر پر بھی ہے

○

وہ اشک ہوں جو آنکھ سے مٹی پہ گرا تھا — پلکوں پہ مجھے کوئی سجا لیتا تو کیا تھا

ماتھے پہ شکن آپ کے دلکش تو ہے لیکن — میں نے تو تباہی کا گلہ تک نہ کیا تھا

گونجا تھا وہی گیت پسِ پردۂ محمل — جو ہم نے کبھی وسعتِ صحرا میں سُنا تھا

دستک مری تنہائی کے در پر تھی ہوا کی — مجھ کو یہ گماں تم نے مرا نام لیا تھا

محفل میں نگاہوں کی زبان کون سمجھتا — میں نے تو ترا نام بھی آنکھوں سے لیا تھا

وہ جس کو بکھیرا ہے فضاؤں میں ہوا نے — وہ ریت کا ایواں مرے خوابوں سے بنا تھا

لوٹ آیا ہوں سو بار میں ہو کے ترے در سے — یوں لگتا ہے میں اپنا پتا ڈھونڈ رہا تھا

جانا ہے کہاں مجھ کو میں آیا ہوں کہاں سے کوئی تو بتائے مجھے میں کون ہوں کیا تھا

میرے لئے اک حادثہ تھا آپ سے ملنا میرے لئے وہ حادثہ ہونا تھا ہوا تھا

دیوانہ مجھے کہتے ہو اب شہر کے لوگو میں نے تو محبّت کو جنوں نام دیا تھا

اُمید مجھ بیٹھے جسے ڈوبنے والے ساحل کے اندھیرے میں کسی گھر کا دیا تھا

موضوعِ سخن محفلِ یاراں میں مری ذات یہ بحث ہے میں کیسا تھا اچھا کہ بُرا تھا

کچھ یاد بھی ہے ایک تھکا ہارا مسافر اک دن تری دیوار کے سائے میں رُکا تھا

وہ چھوڑنے آئے مجھے کاندھوں پہ اُٹھا کے

یاروں کی عنایت ہی تو ہے ورنہ میں کیا تھا

○

کس قدر ہوشربا ہے غم بھی
دوستو مان گئے ہیں ہم بھی

ہاتھ پھیلائے در ساقی پر
میں بھی موجود ہوں حاضر جم بھی

سانس باقی ہے تو موجود ہے غم
سانس کے ساتھ رہے گا غم بھی

اِک نظر آس بندھانے والی
زندگی مانگ رہے ہیں ہم بھی

گردو پیش اپنے کبھی تو دیکھیں
درد ہو جائے کسی دن کم بھی

○

میں کشتی ملاح سے خالی تم ساحل ہو دل دریا
میرے نصیبوں میں ہے بھٹکنا میرے لئے ساحل دریا

تجھ میں یوں کھو جانا چاہوں تجھ سے مجھے پہچانیں لوگ
میں قطرہ ہوں تو دریا ہے قطرے کی منزل دریا

کون ہماری ناؤ بچائے کس کو پکاریں کون سنے
وہ بھی تباہی، یہ بھی تباہی آب ہے ساحل گِل دریا

پانچ مِلے جب پنجند پہنچے اِک مہران بنے
تو بھی کنارے چھوڑ کے اپنے دریا سے آ مل دریا

تیرا فسانہ سن کے برسیں آنکھیں ساری محفل کی
پاشاؔ اپنے آنسو روکو ہونے لگی محفل دریا

○

ہماری یاد اُن کے دل میں یوں ہے وہم سا جیسے
ہلا کے چند پتّوں کو گزر جائے ہوا جیسے

صدف میں آسماں کی چاند کا موتی ہے آویزاں
اندھیرے میں دلِ ویراں کے غم ہو آپ کا جیسے

کرن اُمید کی طوفاں کی ظلمت میں نظر اُن کی
مدد کو آ گئی ہو موجِ ساحل آشنا جیسے

دلِ مغموم۔ تنہا۔ بے سہارا۔ راہ میں غم کی
بچھڑ کے کارواں سے کوئی پیچھے رہ گیا جیسے

کسی ٹہنی پہ برگِ زرد بھی کوئی نہیں باقی
مرا دل پیڑ شورستان، میں سوکھا ہوا جیسے

تغیر ہو کہیں تبدیل ہو رُت، انقلاب آئے
یہ حالت ہے کہ فصلِ گل سے دل اُکتا گیا جیسے

اسے تم حشر کہدو تم گئے تو یوں لگا ہم کو
کہ ریزہ ریزہ ہو کے آسماں سر پہ گرا جیسے

○

اپنا میرا رشتہ دیکھیں اتنی جسارت یار کریں
پشت پہ زخم لگاتے ہیں وہ سامنے آکے وار کریں

آپ سے ہم کو گلہ بجا ہے بات ہی یہ کچھ ایسی ہے
آپ کا غم ہو آپ نہ پوچھیں پرسشِ غم اغیار کریں

مدت گزری صورت دیکھے اس کو کسی دیوانے کی
دار کی قدر افزائی ہے گر رُخ ہم سوئے دار کریں

ساتھ ازل سے بھی ہو چاہے ایک نہیں ہو سکتے ہم
ہم ہیں کناروں کی صورت ہم دریا کیسے پار کریں

آپ کی خاطر دنیا والے ہم سے کشیدہ رہتے ہیں
آپ تو ہم کو اپنا بنائیں آپ تو ہم سے پیار کریں

○

درِ رازِ سکوتِ دخمۂ زندانیاں کھولے　　کوئی شوریدہ سر بندِ قبائے آسماں کھولے

مقدر تا ابد دار و رسن ہی کیوں رہے اس کا　　زباں بستہ جنوں مدت سے ہے اب تو زباں کھولے

سرِ منبر تو ہے آتش زباں آتش بیاں زاہد　　زباں بندِ خرد کے سامنے آئے زباں کھولے

مسافر جادۂ غم کے کہاں منزل پہ پہنچے ہیں　　کوئی رختِ سفر اب رہگذر کے درمیاں کھولے

مجھے اپنا نہیں غم تیری رسوائی کا خدشہ ہے　　نظر تیری نہ محفل میں مرا رازِ نہاں کھولے

ہوا تقدیر سے رُخ جانبِ ساحل ہواؤں کا　　اُٹھے خوابِ گراں سے ناخدا اب بادباں کھولے

بھلک مقصود ہے جس کو مرے عہدِ گزشتہ کی کتابِ زیست میں بابِ غمِ زہرہ رخاں کھولے

یقیں کیسے دلائیں سرگذاروں کی وفاؤں کا دکھائے کھول کے دل آپ کو کوئی کہ جاں کھولے

سفر منزل ہے منزل ہے سفر یہ زندگی کیا ہے
کوئی رختِ سفر باندھے کہاں جا کے کہاں کھولے

○

ایک دن تم بھی مجھے آئینہ بن کر دیکھنا　　اپنا آپ آئے نظر تو دل کے اندر دیکھنا

کون جانے کب رقم کرنی پڑے رودادِ غم　　ڈوبنے کا میرے تم ساحل سے منظر دیکھنا

پھر نظر آنے لگی کشتی سرِ موجِ بلا　　پھر سنبھالا دے گیا ہے تیرا مڑ کر دیکھنا

دل تھے ہم آہنگ آنکھیں نم نہیں ہم تم تھے خوش　　روزنِ دیوارِ ماضی سے یہ منظر دیکھنا

تم کو میرے غم کی گہرائی کا اندازہ تو ہو　　جھانک کر آنکھوں سے میرے دل کے اندر دیکھنا

ناخداؤ ڈوبتی ہیں کشتیاں ڈوبا کریں　　تم کنارے پر کھڑے رہنا یہ منظر دیکھنا

اُٹھ کے جا پہنچی قریبِ بادباں موجِ بلا　　بادباں اک بوجھ بن جائے نہ کھل کر دیکھنا

کوئی تو سمجھے زباں کوئی تو پہچانے مجھے
مجھ کو لے آیا کہاں میرا مقدر دیکھنا

در پہ دستک ہے ہوا کی پاؤں کی آہٹ نہیں
اب یہاں کوئی نہ آئے گا نہ اُٹھ کر دیکھنا

دوستو تم کو مری وسعت کا اندازہ نہیں
تم ہو دریا تو سمندر میں اُتر کر دیکھنا

اہلِ دل سمجھے ہیں دنیا سنگِ جادہ ہی تو ہے
سامنے آئے گی اک سدِ سکندر دیکھنا

آستاں پر دستیاری کے لئے آیا ہوں میں
میری جانب بھی ذرا اے دادگستر دیکھنا

○

یہ محاذ آرائیٔ غم سے ہے فضول
غم سے سمجھوتا ہے جینے کا اصول

ہر کسی کے پاؤں سے اُڑتی ہوئی
زندگی ہے یا کسی رستے کی دھول

کس کو ہے دنیا سے اُمیدِ کرم
سایہ کب دیتے ہیں صحرا کے ببول

یوں ہوئے نازل ہمارے دل پہ غم
جس طرح بارانِ رحمت کا نزول

گر ہو استقبال سنگ و خشت سے
منصبِ دیوانگی بھی ہے قبول

اِن بڑے ناموں کے پیچھے کچھ نہیں
نام برداروں کی شہرت ہے فضول

○

لبِ ساحل شمع اک ڈوبنے والوں نے رکھی تھی
وفا کی آپ سے اُمید نادانوں نے رکھی تھی

کھُلی جب آنکھ وہ تعبیر بن کر سامنے آئے
بنا میری تباہی کی مرے سپنوں نے رکھی تھی

لقب مہتاب کا جس کو دیا ہے اہلِ دنیا نے
فلک پر روشنی یہ ہم سے سربازوں نے رکھی تھی

وفا تخلیق کی ہے بانیِ رسم وفا ہم ہیں
بنا دیوانگی کی ہم سے دیوانوں نے رکھی تھی

مری اک لغزشِ موہوم نے کھویا بھرم ان کا
برائی دل میں میرے واسطے یاروں نے رکھی تھی

نجانے کیا ہوا ہم کو کبھی اپنا نہیں سمجھا
نجانے بات کیا تھی دل میں جو اپنوں نے رکھی تھی

گزرتا وقت اس کو ساتھ لے کے کھو گیا آخر
سجا کے یاد میری بزم میں یاردل نے رکھی تھی

اگر دیوار کج ہے کیا خطا ہے رہنے والوں کی
جو صورت آج گھر کی ہے وہ معماروں نے رکھی تھی

اِسے بھی ظلمتِ غم ساتھ ویرانے میں لے آئی
ضیا گھر کے لئے جو خانہ بربادوں نے رکھی تھی

انہیں دیوانہ کہہ کے دے دیا تحویلِ صحرا میں
تمہارے شہر کی بنیاد جن لوگوں نے رکھی تھی

○

دل کو غم کیا ہے پریشانی ہے کیا　　کیا بتائیں وجہِ گریانی ہے کیا

مہرِ رُخ پر غم کا اک سایہ سا ہے　　یہ حجابِ ابرِ ظلمانی ہے کیا

مضطرب ہیں آج کیوں ساحل پہ لوگ　　یہ تلاطم کیا ہے طغیانی ہے کیا

سوچتا ہوں کیا ہوئی وجہِ کرم　　اہتمامِ حشر سامانی ہے کیا

میری جانب یہ نگاہِ مہرباں　　آپ نے منت کوئی مانی ہے کیا

خارِ صحرا پاؤں کی زنجیر ہیں　　دشت پیما کوئی زندانی ہے کیا

ہم کو پابندِ جفا کرتے ہو کیوں　　مہوشو ایسی بھی من مانی ہے کیا

بٹ رہے ہیں شہر کے لنگر سے غم   چارہ سازوں کی فراوانی ہے کیا

دوستو رُک کے مجھے دیکھا ہے کیوں   میری صورت جانی پہچانی ہے کیا

شیخ کو کُھلتا ہے کیوں میرا وجود   زندگی بھی نا مسلمانی ہے کیا

ابر بن کر ہے محیط ادوار پر   کیفیتِ غم بھی عمرانی ہے کیا

ہفت قلزم ہیں ہمارے درمیان   زندگی ٹھہرا ہوا پانی ہے کیا

ہم قلندر ہیں ہمارے واسطے

حشمتِ جم جاہِ کیوانی ہے کیا

O

کسی حسیں نگاہ کے فسوں کا اہتمام ہو
دلِ خراب کے لئے سکوں کا اہتمام ہو

مناؤ جشن شہر کی فضا ہے کس قدر اُداس
کسی غریبِ شہر ہی کے خوں کا اہتمام ہو

چمن کے پھول وسعتوں کو دشت کی پیام دیں
اِدھر ہے رقص کا اُدھر جنوں کا اہتمام ہو

ہمارے ساتھ بیقرار ہوں گے وہ بھی رات بھر
کہو مہ و نجوم سے سکوں کا اہتمام ہو

جسے تلاش عافیت کی ہو اسے نوا نئے
مرے لئے تو سوزشِ دروں کا اہتمام ہو

○

اب کہاں محفل کہاں وہ محفل آرائی کی بات
اب زباں پر خلوتوں کا ذکر تنہائی کی بات

کچھ نہیں زنداں میں تھا شورِ سلاسل کے سوا
دشت میں کیا ہے وہی اک آبلہ پائی کی بات

ایک جانب ذکر تیرے حُسنِ عالمتاب کا
دوسری جانب وہی ہے میری رُسوائی کی بات

ہم سمندر بن کے جب پھیلے تو اندازہ ہوا
کون سنتا ہے یہاں قطرے کی گہرائی کی بات

اک حقیقت اک فسانے کی طرح مشہورِ عام
میری رودادِ الم تیری مسیحائی کی بات

○

موسمِ لالہ و گل آپ کا ہمسر نکلا
دشت ہی آبلہ پاؤں کا مقدّر نکلا

دل کہ اک قطرۂ خوں جس کو سمجھ رکھا تھا
چیر کے دیکھا تو سینے سے سمندر نکلا

ہم نہ تھے ساتھ نہ تھے ان کی رفاقت میں کلیم
ہم سفر خضر کا جو تھا وہ سکندر نکلا

ساتھ ہی دل کے رہا دل سے وفا کی اُس نے
آپ کا غم تھا مگر آپ سے بہتر نکلا

جس طرح تیرگیِ شب میں نمودار ہو چاند
اس طرح نام ترا مری زباں پر نکلا

میری خجلت گری کام آ گئی آخر میرے
دادرس بن کے مرا داورِ محشر نکلا

آپ تھے پاس کہ دل پاس تھا بربادی کے
فاصلہ دیکھا تو دونوں میں برابر نکلا

تیری محفل میں بھی پوچھا نہ کسی نے ہم کو
داد گستر نہ کہیں کوئی نہ داور نکلا

آبِ گردش سے ذرا دور تھا ساحل لیکن
ناخدا موجِ بلا خیز کا ہمسر نکلا

○

چاند سے مل کے ستاروں سے گزر کر آیا
میں سفر پر تھا شبِ غم کے سفر کر آیا

قربتیں اب ، ہیں نہ اب فاصلے باقی ہیں کہیں
منزلیں جتنی تھی اک جست میں سر کر آیا

کچھ کمی دل کی تباہی میں کہیں تھی شاید
تو مرے سامنے کیوں اور سنور کر آیا

ایک ہی شخص تھا طوفاں نے اماں دی جس کو
ناخدا ہوگا جو ساحل پہ اُتر کر آیا

لوگ کہتے ہیں جسے تیری محبت کا جنوں
میں اسی آگ کے صحرا سے گزر کر آیا

زاویئے رفعت و وسعت کے اسے ہیں معلوم
دل تو دریا ہے پہاڑوں سے اُتر کر آیا

دشت میں آپ کے در پر کہ سرِ راہ کہیں
اک شبِ غم ہی تو تھی کوئی بسر کر آیا

آگ یہ دل کی ہے ٹھنڈی تو نہ ہوگی لیکن
پرسشِ غم سے وہ شعلوں کو شرر کر آیا

ڈوبنے والوں کو اُمید دلانے کے لئے
موج کے ساتھ کنارا بھی اُبھر کر آیا

○

شورشِ بادۂ گلفام نہ میں
میکدے میں نہ وہ کہرام نہ میں

میں گنہگار ــــ ریاکار ہیں وہ
شیخ ہیں عاشقِ اسلام نہ میں

حاصلِ عشق تباہی دل کی
آپ ہیں موردِ الزام نہ میں

بزم یاروں کی سلامت لیکن
اس میں زندہ ہے مرا نام نہ میں

آپ کا غم ہی ظفر یاب ہوا
کامراں ہے غمِ ایّام نہ میں

دیکھنے آئی ہے کس کو دنیا
وہ ہیں موجود سرِ بام نہ میں

ساتھ چلتے تو سفر بھی کٹتا
ہمسفر ہی تھے سبک گام نہ میں

آپ کی بزم پہ طاری ہے سکوت
اب یہاں شیون و کہرام نہ میں

میکدہ لوٹ لیا غیروں نے
سرخرو ساقیِ گلفام نہ میں

اب کہاں انجمن آرا ہم سے
اب نہ محفل میں کہیں جام نہ میں

○

شہر میں دل کی تمناؤں کا خوں ہوتا رہا
صرفِ وحشت دشت و صحرا میں جنوں ہوتا رہا

دل پگھل کر بہہ گیا اشکوں کی صورت آنکھ سے
مشتعل کچھ یوں مرا سوزِ دروں ہوتا رہا

پست و بالائے جہاں سے ہم گزرتے ہی رہے
بیش و کم سرمایۂ صبر و سکوں ہوتا رہا

راستے آوارہ تھے منزل پہ لے جاتے کسے
شوق میرا جا بجا خوار و زبوں ہوتا رہا

فاصلے میرے اور اُن کے درمیاں بڑھتے رہے
فاصلوں کے ساتھ دل کا غم فزوں ہوتا رہا

تیشۂ فرہاد کی ہر ضربِ لافانی کے ساتھ
اور بھی اُونچا مقامِ بے ستوں ہوتا رہا

زینت افزائے جنوں تھا سنگ و سر کا رابطہ
شہر آکے تیز تر رنگِ جنوں ہوتا رہا

عدل کی میزان میں اک خم طرف گیری کا ہے
ہم ضرر دیدہ بتائیں کیا کہ یوں ہوتا رہا

شہر باشو — تم ریا مشرب — ریا پیشہ نہ تھے
تم رہے خاموش میرے دل کا خوں ہوتا رہا

○

کشتی کا تباہی تو مقدر نہیں ہوتی
ہر موج سمندر کی زیاں گر نہیں ہوتی

لازم تو نہیں ان پہ ملاقات ہماری
تاریکیِ شب چاند کا محور نہیں ہوتی

ہر شخص کی تقدیر نہیں خضر کی ممنون
ہر راہ رہِ بختِ سکندر نہیں ہوتی

سورج تو سرِ دشت بھی ہوتا ہے نمودار
ہر شب کی سحر آپ کے در پر نہیں ہوتی

غارت گرِ دل اور مرے دل کو اماں دے
محشر جو نظر ہو کبھی داور نہیں ہوتی

○

ہماری یاد تو بستے گھروں میں رہتی ہے یہ روشنی ہے بھری محفلوں میں رہتی ہے

یہ اُن کا شہر۔ گلی اُن کی۔ آستاں اُن کا مری حیات انہی منزلوں میں رہتی ہے

وہ جس کا ذکر کیا ناخدا نے طوفاں میں وہ اِک اُمید کہیں ساحلوں میں رہتی ہے

خزاں زدہ جسے ابرِ بہار کہتے ہیں چمن کی آگ انہی بادلوں میں رہتی ہے

تلاش کرتے ہو جس زندگی کو شہروں میں وہ زندگی تو گھنے جنگلوں میں رہتی ہے

یہ سچ ہے شہر کے بازار پُرسکوں ہیں مگر یہاں قیامتِ صغریٰ گھروں میں رہتی ہے

سحر کا نُور اسی روشنی سے پھوٹے گا وہ روشنی جو ہماری شبوں میں رہتی ہے

تمہارا حسن ستاروں میں جگمگاتا ہے   تمہارے جسم کی خوشبو گلوں میں رہتی ہے

سحر کے بعد ہمیں بتکدوں میں پاؤ گے   ہماری رات کہیں میکدوں میں رہتی ہے

ہماری یاد سلامت ہمارے بعد بھی ہے   کہیں دلوں میں کہیں محفلوں میں رہتی ہے

تلاش کرتے ہیں جس کل کو لوگ محلوں میں

انہیں کہو کہ وہ کچے گھروں میں رہتی ہے

○

حسن بھی چاہے تو احسانِ مسیحائی نہ لو
غم کو غم رہنے دو غم سے اس کی رعنائی نہ لو

موسمِ گل میں ہمیں کرتے ہو پابندِ چمن
دشت پیماؤں سے ذوقِ دشت پیمائی نہ لو

اب نہ آوازہِ سلاسل بھی ہو زنداں میں بلند
اپنے سر پہ تہمتِ ہنگامہ آرائی نہ لو

میں مسافر ہوں نہیں ہے مجھ کو منزل کی تلاش
منزلو مجھ سے جنونِ جادہ پیمائی نہ لو

قدر افزائی ہے میری میرے گھر آنا مگر
دوستو خلوت نشیں سے اس کی تنہائی نہ لو

○

چاند سے ہوں گی کب تلک باتیں
آ کہ تجھ بن اُداس ہیں راتیں

زندگانی اور آپ کے گیسو
جیسے لمبی فراق کی راتیں

انجمن ہو کوئی کہ تنہائی
آپ کا ذکر آپ کی باتیں

ایک دیوار بیچ میں حائل
اب نہ وہ ہم رہے نہ وہ باتیں

کھو گئے تیرگی میں ماضی کی
وہ شب و روز وہ ملاقاتیں

اک قبیلے کے لوگ تھے انساں
اب قبیلے ہزار سو ذاتیں

○

جو لوحِ جہاں پر ہے رقم دیکھ رہے ہیں
دیکھے گا کہاں کوئی جو ہم دیکھ رہے ہیں

اک شہر کا رستہ ہے تو اک جادۂ صحرا
کس سمت کو لے جائے گا غم دیکھ رہے ہیں

سرگرمِ سفر قافلہ ہے جانبِ منزل
ہم سنگِ نشاں نقشِ قدم دیکھ رہے ہیں

اب باعثِ تشویش ہوا ربطِ تضادات
ہم شیر و بزغ کو بھی بہم دیکھ رہے ہیں

کب پہنچے گا طوفانِ بلا خانۂ دل تک
وہ تندیٔ رفتارِ ستم دیکھ رہے ہیں

○

دیئے جائیں گے ہم الزام کب تک خشک سالی کو
اُٹھا لے سامنے سے کوئی اس مینائے خالی کو

تری ابرو فراخی آسماں پر ماہِ نو جیسے
مرے تشنہ لبوں تک بھی تو لا جامِ ہلالی کو

سنا ہے شہرِ نا آباد کی تعمیر پھر ہو گی
دلاسہ دے رہے ہیں آرزو ہائے خیالی کو

ربودہ دل کرم کی اک نظر ہی مانگتے ہوں گے
جہاں والوں کی صورت ٹال دو تم بھی سوالی کو

رگِ ابرِ پریشاں تک نہیں ہے سبزہ زاروں پر
ہوا کیا موسمِ گل میں ہوائے برشگالی کو

غزل میری حکایت کاکل و رخسارِ جاناں کی
بیاضِ دیدہ پر لکھوں گا ان اشعارِ عالی کو

یہ کیسا سرپھرا ہے بے پیئے حق بات کہتا ہے
نکالو میکدے سے ایسے رندِ لا اُبالی کو

○

ہم نہ راضی ہوئے کبھی دل سے ہم کو شاید ہے دشمنی دل سے

اب تو برسات ہو گی آنکھوں میں غم کی کالی گھٹا اُٹھی دل سے

دل ہمارا ہے آپ سے ناراض جیسے برہم ہوں آپ بھی دل سے

راہ چلتے ملے تھے یہ دونوں زندگی پھر نہیں ملی دل سے

جیسے صحرا میں رو رہا ہو کوئی ایسی آواز اک سنی دل سے

کھو گئے ہیں غبار میں رستے ایسی آندھی سی اک اُٹھی دل سے

ہم کو دل نے دکھایا آئینہ بات ہم نے سُنی کھری دل سے

مطمئن جھوٹ سے کیا سو بار — اب نہ ہو گی یہ دل لگی دل سے

دشمنی کی اگر زباں تک تھی — کی محبّت تو ہم نے کی دل سے

جیسے حرفِ غلط تھا اک اُمید — تیرے جانے سے یوں مٹی دل سے

دل میں ان کی نظر ہوئی آباد — آئی دل میں نہیں گئی دل سے

پھر دریچے کھُلے ہیں ماضی کے — کتنی ٹھنڈی ہوا چلی دل سے

دل کسی کا کبھی نہیں ہوتا — کس کو اُمیدِ داوری دل سے

بات میری بھی ٹال دیتا ہے — اب تو بنتی نہیں مری دل سے

وہ جو تھی راہ و رسم کی بنیاد
وہ رہ و رسم کب رہی دل سے

○

ہجر کا غم ساتھ لے کے ہجر کے مارو چلیں
محفلِ شب ہو گئی برہم چلو تارو چلیں

موسمِ گل میں تمہارے ساتھ رہنے دے گا کون
تم مناؤ جشن ہم صحرا کو گلزارو چلیں

زندگی اپنی ہے یوں جیسے سحر کا ہو چراغ
آخرِ شب ہے سحر ہونے کو ہے یارو چلیں

بزمِ خوباں ہے سحر ہونے کو ہے یارو چلیں
اجنبی سے بن کے کیا بیٹھے یہاں یارو چلیں

بزمِ خوباں ہے وفا نا آشناؤں کا ہجوم
اجنبی سے بن کے کیا بیٹھیں یہاں یارو چلیں

زندگی سے جیتنے کی آس کاہش بے حصول
جو بھی ہے باقی لگاؤ داؤ پر یارو چلیں

رونقِ محفل بنے بیٹھے رہیں گے کب تلک
تم سجاؤ محفلیں ہم تھک گئے یارو چلیں

یوں نہ ہو کل باعثِ زحمت بنیں سب کیلئے
مسکرا کے اب ہمیں رخصت کرو پیارو چلیں

○

ہر کوئی چاند شبِ غم میں چمکتا دیکھے
اس طرح آؤ مرے پاس کہ دنیا دیکھے

جب کھلی آنکھ وہی ہم تھے وہی ظلمتِ شب
زندگی یوں ہے کہ جیسے کوئی سپنا دیکھے

ایک بیچارہ جسے پیار سے دیکھا تھا کبھی
گھر کی دہلیز پہ بیٹھا ترا رستا دیکھے

سرد خانے میں پڑی لاش کو پہچانے کون
اجنبی سب ہیں مجھے کوئی تو اپنا دیکھے

داستاں غم کی نہ دہرائیے سنی ہے سب نے
چارہ گر اب کہیں اس غم کا مداوا دیکھے

○

محفل میں مری ذکرِ نگاراں تو رہے گا
موسم ہو کوئی جشنِ بہاراں تو رہے گا

دیکھیں گے گداؤں کو تو سگ چپ نہ رہیں گے
چیونٹی کے لئے کینۂ ماراں تو رہے گا

مجنوں نہ سہی — ہم بھی وہی آبلہ پا ہیں
دستورِ غمِ سینہ فگاراں تو رہے گا

محفل میں مری یاد مرے بعد بھی ہو گی
میں خود نہ رہوں حلقۂ یاراں تو رہے گا

اک ہم ہی نہیں اہلِ چمن اور ہیں موجود
ہم ہوں کہ نہ ہوں جشنِ بہاراں تو رہے گا

کھو جائیں گی صحرا میں غزالوں کی قطاریں
نقشِ قدمِ شیر شکاراں تو رہے گا

ہم میں نہ رہے تابِ نظر بات الگ ہے
وہ حسنِ رُخِ لالہ عذاراں تو رہے گا

○

آنسو ہیں رواں جیسے میرے دیدۂ تر سے
ساون کی گھٹا بھی اسی انداز سے برسے

شاید ہے وفا نام اسی رسمِ جنوں کا
اک نسبتِ دیرینہ جبیں کو جو ہے در سے

میرے لئے محتاط نظر ان کی ستم ہے
وہ دیکھ رہے ہیں مجھے غیروں کی نظر سے

اربابِ جنوں کو یہ فضا راس تو آئے
صحرا کو ودیعت کرو وحشت مرے گھر سے

محروم رہے فصلِ گل و لالہ سے لیکن
محفوظ رہے مشغلۂ برق و شرر سے

روشن ہے ابھی گردِ رہ عشق جبیں پر
گزرے تھے کبھی ہم بھی تری راہگذر سے

○

وہ بھی لگتے ہیں تھکے ہارے ہوئے
وہ بھی شاید ہم سے بیچارے ہوئے

دل جلوں کے دل سے کیوں آئے نہ آنچ
دل جلوں کے دل میں انگارے ہوئے

ہم سے شب پیما کبھی تنہا نہ تھے
شام ہی سے ہمسفر تارے ہوئے

غم کی رُت آمیزشِ رنگ و ضیا
زخم تھے کچھ پھول کچھ تارے ہوئے

کشتیوں کو چھوڑ کے منجدھار میں
ناخدا لوٹے تھکے ہارے ہوئے

○

ہم ہی تو نہیں آبلہ پا اور بھی ہوں گے
کوچے میں ترے ہم سے گدا اور بھی ہوں گے

اے جانِ جہاں طرزِ تغافل کے علاوہ
ترکش میں ترے تیرِ بلا اور بھی ہوں گے

مقصودِ فلک دل کی تباہی تو نہیں ہے
ہم ہیں تو ستم ہم پہ روا اور بھی ہوں گے

جینے کی نہیں بات ترے لطف و کرم سے
غم دل کو محبت کے سوا اور بھی ہوں گے

ہم سا تری محفل میں جو ہے سامنے آئے
ویسے تو یہاں اہلِ وفا اور بھی ہوں گے

○

میں ہوں اہلِ دل سبک مایہ نہیں
آسماں بھی میرا ہم پایہ نہیں

دھوپ شدّت کی ہے تا حدِّ نظر
دل کے صحرا میں کہیں سایہ نہیں

ہیں خزاں کا ہم سفر خانہ بدوش
موسمِ گل میرا ہمسایہ نہیں

اور بھی غم ہیں محبت کے سِوا
تیرا غم ہی میرا سرمایہ نہیں

خوش نصیبوں کو ملا صحرا میں گھر
کوئی مونس کوئی ہمسایہ نہیں

دل غریبِ شہر کا خالی مکاں
کوئی مدت سے یہاں آیا نہیں

شیخ گردِ میکدہ میری طرح
اس کا رتبہ آسماں پایہ نہیں

زندگی افزا ہو پر بے مہر ہو
جیسے سورج دھوپ ہے سایہ نہیں

غم ملے جتنے ملے دل کے عوض
ہم نے کچھ کھویا ہے کچھ پایا نہیں

○

جب تجھ سے ملے اک جام بہت　　اے ساقیِٔ گل اندام بہت

منزل ہو اگر مقصودِ سفر　　منزل کے لئے دو گام بہت

اب کون خریدے جنسِ وفا　　بیکار سی شے ہے دام بہت

ہم دیوانے آوارہ بھی　　ہم ایک ہمارے نام بہت

غم دنیا کے کچھ کم تو نہیں　　غم آپ کا ہے بدنام بہت

پینے کے لئے اک بوند نہیں　　رکھے ہیں سجا کے جام بہت

یہ بوجھ تو اُٹھنے والا نہیں　　دل ایک ہے اور آلام بہت

وہ چاند بھی ہے وہ پھول بھی ہے اس جانِ جہاں کے نام بہت

دل میں تو ذرا ایمان نہیں لب پر ہے مگر اسلام بہت

اب قیمت غم کی کچھ بھی نہیں یہ جنس ہوئی اب عام بہت

کہتے ہیں کہ ہم ہرجائی ہیں ہم اہلِ وفا بدنام بہت

اک طائرِ لاہوتی کے لئے صیّاد بہت ہیں دام بہت

یہ رسمِ مسلمانی ہے نئی

ایمان ہے کم اسلام بہت

○

دل میں یادیں اَن گنت غم کی فـراوانی سی ہے
میری اس آسودگی پر اُن کو حیرانی سی ہے

ساحلوں کے رہنے والے فکرِ مستقبل کریں
ابر بھی گہرا ہے دریا میں بھی طغیانی سی ہے

پرسشِ غم کو چلے آئے ہوں شاید بھول کے
گھر کے دروازے پہ دستک جانی پہچانی سی ہے

یوں تو ہیں خوشحال اس شہرِ رسن بستہ کے لوگ
اک ذرا اہلِ وفا کے خوں کی ارزانی سی ہے

چاہتیں بے بس دلِ ویراں پہ طاری ہے جمود
زندگی برسات کے ٹھہرے ہوئے پانی سی ہے

○

رات گزرے تو سحر بھی آئے
روشنی کوئی نظر بھی آئے

ہم بھٹکتے ہی رہے راہوں میں
لوگ منزل سے گزر بھی آئے

لوگ کہتے ہیں سحر آئی ہے
روشنی یہ میرے گھر بھی آئے

ایسی دشوار نہیں ہے منزل
ہم کو اندازِ سفر بھی آئے

ناؤ طوفاں سے نکل آئی ہے
کوئی ساحل پہ اُتر بھی آئے

○

روپ تو پہلے نکھارو اپنا پھر کہو ان کو بہارو اپنا
ساتھ دیتا ہوں سحر ہونے تک میں تمہارا ہوں ستارو اپنا
زندگی سے ہے شکایت کیسی دوستو وقت گزارو اپنا
انگلیاں مجھ پہ اُٹھانے والو تم ذرا گھر تو سنوارو اپنا
جاننے والا کوئی تو ہو گا نام محفل میں پکارو اپنا
کر دیا غم کے حوالے دل کو حوصلہ یوں تو نہ ہارو اپنا
دور طوفاں سے رہوگے کب تک راستہ بدلو کنارو اپنا

اس کو اپنا تو بنایا ہوتا
جس کو تم کہتے ہو یارو اپنا

O

ایک طوفانِ عواصف تھا کہ گلشن پر گرا　　برق بن کے غم ترا دل کے نشیمن پر گرا

تیری چاہت کا جنوں تیری محبت کا عذاب　　شہر کی گلیوں سے جب نکلا کسی بن پر گرا

یاد کیا آیا کہ برہم ہو گیا دل کا سکوت　　شور ہنگاموں کا جیسے اُٹھ کے قدغن پر گرا

شہر پر بادل تھے لیکن دھوپ میرے گھر میں تھی　　آسماں سے ابر کا سایہ نہ آنگن پر گرا

کوئی پردہ تیرے ان کے درمیاں حائل نہ ہو　　وہ نظر ہو آگ جس میں دل کی چلمن پر گرا

یوں مری فریاد ٹکرائی تمہارے دل کے ساتھ　　جس طرح روئی کا گالا سنگ و آہن پر گرا

جذب ہو جانے دے مٹی میں یہ قطرے خون کے　　تیرے آنسو کون دیکھے گا نہ دامن پر گرا

آنچ دنیا تک تو پہنچے آتشِ دل کی کبھی
آنکھ سے بہتے ہوئے شعلے کسی تن پر گرا

میں ہوں وہ بادل جو برسا ہو دیارِ غیر پر
میں ہوں شعلہ جو اُٹھ کے اپنے مسکن پر گرا

سوچ بن کے سایہ اک ہلکا سا میرے نام کا
ذکر جب آیا مرا تو اُن کی چتون پر گرا

داستانِ غم سنانے سے انہیں کیا فائدہ
کام بے مصرف ہے یہ خوشبو نہ چندن پر گرا

پھر ہوئی تجدیدِ پیمانِ محبّت دیکھئے
آپ کے آنچل کا سایہ دل کے مدفن پر گرا

کیا محبت کے لئے سوگند کوئی اور ہے
لب پہ آیا نام تیرا اشک دامن پر گرا

آئینے میں اپنی صورت کب نظر آئی ہمیں
جب بھی دیکھا عکس تیرا دل کے درپن پر گرا

پے بہ پے دل پر مرے شبخوں کسی کی یاد کے
جیسے دشمن شب کی خاموشی میں دشمن پر گرا

دل کو دل بہنے دے دل سے اس کی آزادی نہ چھین
تو شکم بندہ سہی لیکن نہ تن من پر گرا

نادرہ گفتار جو تسلیم کرتا ہے تجھے
اس غزل کے پھول ایسے نادرہ فن پر گرا

○

جب نظر اُن سے ملی یاد آیا　　دل میرا دل تھا کبھی یاد آیا

جو ہوا دل سے سبھی یاد آیا　　جو کیا تم نے وہی یاد آیا

بھولنا مجھ کو تو مشکل تھا مگر　　میں نہیں تم کو کبھی یاد آیا

جب کسی نے کبھی پوچھا احوال　　زندگی ایسی نہ تھی یاد آیا

میں بھی زندہ ہوں ہوا یہ احساس　　جب تری بات چلی یاد آیا

اپنے یاروں کی وفا کا انداز　　جب کبھی چوٹ لگی یاد آیا

کم ہوئی دل میں اگر شدتِ غم — وہ محیّر— وہ غنی یاد آیا
روشنی صبح کی پھیلی تو مجھے — کس طرح رات کٹی یاد آیا

میں کہاں تھا مجھے کچھ یاد نہیں
میں کہاں ہوں یہ ابھی یاد آیا

○

ماضی کے دریچوں سے کوئی جھانک رہا ہے
یہ شخص تو پہلے بھی کہیں دیکھا ہوا ہے

پھر ذہن کے پردے پہ ابھرتا ہے کوئی نقش
پھر یاد نے کانوں میں کوئی نام لیا ہے

بجھ بجھ کے جلا - جل کے بجھا - بجھ گیا آخر
یہ دل تھا سلگتا ہوا یا گھر کا دیا ہے

نغموں سے صدا دو مجھے یا چاند سے جھانکو
تم کون ہو میں نے تمہیں پہچان لیا ہے

دروازے پہ تیرے کوئی طالب ہے کرم کا
مدّت سے کھڑا ایک نظر مانگ رہا ہے

یہ کس کی صدا لائی ہیں طوفاں کی ہوائیں
یہ کون مرے واسطے ساحل پہ کھڑا ہے

میں نے تو عطا کی ہے ضیا تیری شبوں کو
دل ہی تو مرا ہے جو ترے گھر کا دیا ہے

کس شہر میں ہم جائیں گے اب دادرسی کو
اس شہر کا ہر شخص تو ہم دستِ خدا ہے

○

عالمِ قلبِ تپاں تو دیکھو فتنۂ سوزِ نہاں تو دیکھو
کم نظر جتنے تھے مل بیٹھے ہیں محفلِ دیدہ وراں تو دیکھو
قافلے والوں کا چلنا مشکل نشۂ خوابِ گراں تو دیکھو
ایک فریاد ہے خاموشی بھی میرا اندازِ فغاں تو دیکھو
بے نیازی میں خدا کے انداز عظمتِ حسنِ بتاں تو دیکھو
تشنہ لب بیٹھے ہیں میخانے میں قسمتِ بادہ کشاں تو دیکھو

بے کہے کہدیا سب کچھ میں نے　　اس خموشی کی زباں تو دیکھو

شعر افسانۂ غم ہیں لیکن　　میرا اندازِ بیاں تو دیکھو

دیکھ کے جس کو سکوں ملتا ہے

یہ مرا دشمنِ جاں تو دیکھو

○

سجی سجائی ساری دکانیں دنیا کا بازار حسیں
سب کا کاروبار ہے مندہ موت کا کاروبار حسیں

شہر کے لوگوں کے دل دیکھو کتنے کریہہ المنظر ہیں
شہر کی ہر مسجد کا گنبد اُونچا ہے مینار حسیں

اِک مدّت تک راج کیا ہے فصلِ خزاں نے گلشن پر
گلشن کی سب قدریں بدلیں اب پھولوں سے خار حسین

گھر کے اندر جا کے دیکھے کون یہاں کیا صورت ہے
باہر کی ہر چیز ہے دلکش در اچھے دیوار حسیں

اس کی مشقِ ستم کی خاطر ہم بھی خود کو پیش کریں
مقتل کا منظر ہے پیارا قاتل کی تلوار حسیں

مجھ کو دیکھ کے اندازہ کچھ ہوگا میرے ماضی کا
کتنا دلکش ایوان ہوگا جس کے ہیں آثار حسیں

ان سے کرم کی ایک نظر بھی اہلِ وفا کو مل نہ سکی
اور ہم وہ جو دامن بھر دیں ہم سے مانگیں پیار حسیں

○

دل کی منزل غموں کے رستوں میں
جیسے جنگل گھروں کے رستوں میں

فصلِ گل میں خزاں کا ہے انداز
خار بھی ہیں گلوں کے رستوں میں

غم سے دل کا پرانا رشتہ ہے
غم ملے گا دلوں کے رستوں میں

منتشر ہم ہیں گرد کی صورت
ہم ملیں گے بتوں کے رستوں میں

ماہ و انجم کے ساتھ ہوں میں بھی
ہمسفر ہم شبوں کے رستوں میں

زندگی کا سفر نہ تھا آساں
موڑ تھے مشکلوں کے رستوں میں

بیٹھے رہتے ہیں منتظر میرے
محتسب میکدوں کے رستوں میں

میکشی بے سبب نہ تھی میری
جام آئے لبوں کے رستوں میں

○

دریا کے ساحل سے ہو کر شہر میں بھی آ پہنچا ہے
لوگ پریشاں حال ہیں طوفاں گلی گلی آ پہنچا ہے

کوئی گلہ باقی نہ رہے گا دامن سب بھر جائیں گے
درد کی شدت کم نہیں ہوگی اب وہ غنی آ پہنچا ہے

قبر پہ پھول چڑھا لینا کل۔ آج مجھے پہچان تو لو
مردہ پرستو دیکھو ذرا ـــــ یہ کون ولی آ پہنچا ہے

دیکھنا اب مایوس نہ لوٹا دینا اس دیوانے کو
صحرا صحرا گھومتا پھر وہ تیری گلی آ پہنچا ہے

لوگ درِ میخانہ پر پاشا کو لیئے آئے ہیں
رندوں کی محفل میں جیسے کوئی ولی آ پہنچا ہے

○

میں کہاں اور بزم آرائی کہاں — مجھ کو لائی میری تنہائی کہاں

اُٹھ گئی ہو گی نظر میری طرف — وہ کہاں کارِ مسیحائی کہاں

کیا غرض خورشید کو ظلمت کے ساتھ — ان سے ہے میری شناسائی کہاں

ہم نصیبِ دشت ہم صحرا مقام — ہم کہاں اور گلشن آرائی کہاں

دشت میں ذرّہ قدر دنیا کے غم — دل کی وسعت دل کی پنہائی کہاں

تم وفا دشمن کرم نا آشنا — تم سے اُمیدِ مسیحائی کہاں

دل کا اِک گوشہ سمندر کا فراخ — اس میں وہ وسعت وہ گہرائی کہاں

شہر کا زنداں بھی ہے اس کیلئے دشت میں بھٹکے گا سودائی کہاں

ہم تمہارے تم جہاں کے واسطے ہم سے یکتا تم سے ہرجائی کہاں

کم نظر جتنے تھے سب ہیں دیدہ ور اب وہ دانائی وہ بینائی کہاں

جس نے پایا تھا جوانی کا لقب وہ گھٹا گلشن پہ پھر چھائی کہاں

اشک آئیں جب وہ پوچھیں حالِ دل نا سمجھ تھی آنکھ بھر آئی کہاں

میکدے پر ابر سا چھانے لگا

کون جانے زلف لہرائی کہاں

○

میرے غم تم پر عیاں کیسے ہوئے — کیا ہوا تم مہرباں کیسے ہوئے

ہم کہ تھے حلقہ بگوشانِ وفا — مہوشوں سے بدگماں کیسے ہوئے

مل گیا ہم کو شعورِ آگہی — ہم کلامِ قدسیاں کیسے ہوئے

جن کو پینے کا سلیقہ بھی نہیں — زینتِ میخوارگاں کیسے ہوئے

کب ہوئی آنکھوں کو بینائی عطا — منکشف سرِ نہاں کیسے ہوئے

حادثہ قربت بھی تھا دوری بھی ہے — حادثے یہ ناگہاں کیسے ہوئے

ہم وہ معنی جو نہ سمجھا تھا کوئی — تیرے لفظوں میں بیاں کیسے ہوئے

ہم نے پہچانا ہے اپنے آپ کو　　نقش بر آبِ رواں کیسے ہوئے

کیوں ہوا ہم پر بہاروں کا نزول　　دشتِ قسمت گلستاں کیسے ہوئے

کون جانے کب تھمیں گے کب رُکیں　　کیا خبر آنسو رواں کیسے ہوئے

انحصار اب ناؤ کا پتوار پر　　نذرِ طوفاں بادباں کیسے ہوئے

آپ نے اپنائی ہے اس کی روش　　ہم خیالِ آسماں کیسے ہوئے

کس طرح پہنچے ہو اس محفل میں تم　　نامرادو کامراں کیسے ہوئے

ہم غریبِ شہر رودادِ ستم
ہم حدیثِ دلبراں کیسے ہوئے

○

کوئی سمجھوتہ اگر ہو جائے تعزیروں کے ساتھ
زندگی کٹ جائے زنداں میں بھی زنجیروں کے ساتھ

ہم فصیلِ شہر کے سائے میں ستالیں ذرا
دھوپ سے بچنے چلے آئے اماں گیروں کے ساتھ

میکشوں کی صف میں زاہد کو دیا کس نے مقام
سنگریزے کس نے لا رکھے یہاں ہیروں کے ساتھ

یوں اُٹھیں ان کی نگاہیں خیر مقدم کو مرے
جس طرح دشمن کا استقبال ہو تیروں کے ساتھ

تیرا غم دل میں بسا کے ہم نے جو دیکھے تھے خواب
ہم کو اب رہنا ہے ان خوابوں کی تعبیروں کے ساتھ

موسمِ گل میں اسے صحرا بدر تو کر دیا
دار تک پہنچاؤ دیوانے کو زنجیروں کے ساتھ

زندگی میری نہیں جولانگہِ جور و ستم
تم کھلونا جان کے کھیلو نہ تقدیروں کے ساتھ

ترکۂ غم سے مرے افسانۂ دل کے لئے
چند تصویریں ملی ہیں چند تحریروں کے ساتھ

○

جسے تمہارا غم ملے وہ غم نصیب تو نہیں
ستارہ جس کا اوج پہ ہو کم نصیب تو نہیں

پئے وقارِ میکشی کہاں سے لاؤں جامِ جم
قرابہ کش تو ہوں ضرور جم نصیب تو نہیں

ہمارا غم ہمارے دوستوں کا غم بنے گا کیوں
ہمارے ہم نشیں ہمارے ہم نصیب تو نہیں

کسے سناؤں میں سنے گا کون داستانِ غم
مری طرح جہاں میں سب ستم نصیب تو نہیں

مری وفا کو اہلِ دل غلط سمجھ رہے ہیں کیوں
وفا مرا نصیب ہے صنم نصیب تو نہیں

گلہ نہ تیری برہمی کے ڈر سے ہو سکا کبھی
ستم نصیب کو ترا کرم نصیب تو نہیں

مری طرح جہاں میں اور خوش نصیب ہے کہاں
مری طرح کسی کو تیرا غم نصیب تو نہیں

O

ازل کے روز ہی کئے تھے دل نے اختیار غم
نہ کر سکا کوئی نہ میں، نہ ہو سکے شمار غم

ملے گا اب سکوں کہاں دلِ ستم نصیب کو
اُدھر ستم شعار تم - اِدھر ستم شعار غم

دیا ہے اس کو آنسوؤں کا نام اہلِ بزم نے
بہا ہے میری آنکھ سے بشکلِ آبشار غم،

سکوتِ رہگذر پہ اک غبار سا ہے یاس کا
دلِ خراب کے لئے تمہارا انتظار غم

تمہارے پیار سے تو ہے ہمارے دل میں روشنی
ہمارے دل میں جلوہ گر غموں کا تاجدار غم

نصیبِ اہلِ دل یہی کسی سے کیا گلہ کریں
خزاں تو خیر ہے خزاں، یہاں تو ہے بہار غم

یہی تو ہیں کہ پوچھتے ہیں آ کے ہم سے حالِ دل
ہمارے مہرباں تو ہیں ہمارے غمگسار غم

بھرم محبتوں کا ہے وقارِ اہلِ دل یہی
جفا کی آبرو ہے غم وفا کا اعتبار غم

ہوا جو پیش حشر میں ہمارا دفترِ عمل
نہ گن سکے گناہ وہ نہ ہو سکے شمار غم

○

اب گوشہ عافیت کا نہیں اپنا گھر تو کیا
صحرا سے ہو رہے ہیں اگر بام و در تو کیا

باقی نہیں ہے ان کی بصیرت پہ اعتبار
زینت اگر ہیں بزم کی اہلِ نظر تو کیا

دستار شہریار کی رنگین تو ہوئی
ڈوبے لہو میں شہر کے دیوار و در تو کیا

میری نوا سے شب نہ مری مختصر ہوئی
رنگِ نوا ہے مثلِ نمودِ سحر تو کیا

اب شاخِ آشیاں نہ کہیں شاخِ گل کوئی
مل بھی گئے خزاں میں ہمیں بال و پر تو کیا

ان کی نظر ہمارا مقدر نہ بن سکی
ہم منتظر رہے بھی سرِ رہگذر تو کیا

○

بات کی غیر سے جاتے جاتے　　آنکھ ہم سے بھی ملاتے جاتے

ہم بھی راہوں میں پڑے رہتے ہیں　　دیکھ لیتے کبھی آتے جاتے

منتظر غیر تو تھے محفل میں　　آپ جب ہم کو بلاتے جاتے

مختصر سا تھا فسانہ غم کا　　کب تلک ان کو سناتے جاتے

زندگی گزری سفر میں اپنی　　روز و شب کٹ گئے آتے جاتے

زخم یوں پھول کھلے ہوں جیسے　　یہ بہار اُن کو دکھاتے جاتے

جانتے ہوں گے زباں اشکوں کی　　رازِ دل ان کو بتاتے جاتے

درد کچھ اور عنایت ہوتا زخم کچھ اور لگاتے جاتے

عدل زنجیر بنا سونے کی کب تلک اس کو ہلاتے جاتے

زندگی پھر سے حسیں لگتی ہے اس نے پھر دیکھا ہے جاتے جاتے

رنگ ہوتا جو ہنر میں کوئی

ہم بھی محفل پہ جماتے جاتے

○

ہم رات کی ظلمت میں اُجالوں کی طرح ہیں
روشن جو رہیں ایسی مثالوں کی طرح ہیں

یوں کہنے کو جینے سے تعلق تو ہے لیکن
مکتب کی کتابوں میں حوالوں کی طرح ہیں

مشکل سے گزرتے ہیں جدائی کے شب و روز
لمحے بھی بغیر آپ کے سالوں کی طرح ہیں

دنیا کے لئے جیسے کہ ہوں بوجھ زمیں کا
ہم گوروں کے اس دیس میں کالوں کی طرح ہیں

انداز وہی اُن کے جو ہیں میری غزل کے
وہ بھی تو حسیں میرے خیالوں کی طرح ہیں

بیٹھے ہیں سرِ راہ لئے اپنا مقدّر
آنکھوں میں گداؤں کی سوالوں کی طرح ہیں

ہر روز نئے زخم نظر آتے ہیں دل پر
یادیں بھی ہمیں بھولنے والوں کی طرح ہیں

○

فاصلے بڑھتے رہے دوری ہوئی　　کچھ مری کچھ ان کی مجبوری ہوئی

ایک بھی اپنی دعا ایسی نہیں　　آسماں سے جس کی منظوری ہوئی

سن لیا عرضِ تمنّا کا جواب　　آرزو اک یہ بھی تھی پوری ہوئی

میری مجبوری تھی میری التماس　　ان کا جانا ان کی مجبوری ہوئی

آپ کا غم باعثِ شہرت بنا　　ہم سے گمناموں کی مشہوری ہوئی

آپ دل میں رہ کے تھے آنکھوں سے دور　　آپ کو یہ کیسی مجبوری ہوئی

کب کسی نے پایا دنیا میں سکوں　　کب کسی کی آرزو پوری ہوئی

فکر میری قدسیوں سے ہمکلام   میں ہوں خاکی فکر تو نوری ہوئی

ہم تو ہیں ان کی محبّت کے نقیب   ہم سے ملنا ان کی مجبوری ہوئی

زندہ رہنے کی اجازت تو ملی   زندگی کی یہ طلب پوری ہوئی

شہر میں آ کر جنوں منصب ہوئے   سنگ جب برسے تو ماموری ہوئی

ہم کو لے آئی قفس میں فصلِ گل   نغمہ سنجی وجہ محصوری ہوئی

اس نے پائی منزلِ دار و رسن   جس کی رہبر رسمِ منصوری ہوئی

نام ہے آباد وہ ویران ہے   زندگی تصویرِ مہجوری ہوئی

مجھ کو جینے کی نہیں ہے آرزو
میرا جینا میری مجبوری ہوئی

O

غم ترا یاد تری ہم کو ہیں پیارے دونوں
دل فرو ماندہ ہے اس دل کے سہارے دونوں

درمیاں دونوں کے حائل تو ہے دریا لیکن
ساتھ ہی چلتے ہیں دریا کے کنارے دونوں

ایک ہم ہی تو نہیں وہ بھی گہستہ دل ہیں
رات آئے تو گنا کرتے ہیں تارے دونوں

تم سمجھتے ہو کہ تم جیتے ہو بازی غم کی
ہم سمجھتے ہیں کہ غم جیتا ہے ہارے دونوں

آپ کی کاکلِ شب گوں کو مری قسمت کو
معجزہ کوئی کبھی ہو تو سنوارے دونوں

جس نے طوفاں کے سوا دیکھا نہ کچھ بھی اس کو
ڈوبتے وقت نظر آئے کنارے دونوں

قافلہ ان کا شبِ غم ہے جلو میں میرے
ہمسفر میرے ہوئے چاند ستارے دونوں

○

سفر کی کہنہ رواْیتوں کی حدوں سے آگے نکل گیا ہوں
ابد کی جانب رواں تھے ساتھی مگر میں سوئے ازل گیا ہوں

ضیا نے میری دکھایا رستہ بھٹکنے والے مسافروں کو
دیا تھا موجِ ہوا جو آئی بجھا نہیں ہوں میں جل گیا ہوں

جو ساتھ رہتا مرے رفیقوں کی دوستی کا بھرم نہ رہتا
میں ایک لمحہ تھا روشنی کا چمک دکھاتے ہی ٹل گیا ہوں

بدلتی رُت کا نہ ساتھ دیتا تو زندگی کس طرح گزرتی
رہا ہوں میں موسموں کی صورت جو بدلے موسم بدل گیا ہوں

میں ایک برگِ خزاں رسیدہ فسردہ ٹہنی پہ رہ گیا تھا
بلا کی آندھی چلی تھی لیکن گرا نہیں میں سنبھل گیا ہوں

جُھلسنے والی تھی دھوپ غم کی سفر بھی لازم تھا زندگی کا
شجر کا سایہ کہیں نہیں تھا میں اپنے سائے میں ڈھل گیا ہوں

وفا شعاری سرشت میری درِ صنم ہی کی بات کیا ہے
جہاں بھی حاضر ہوا جہاں بھی گیا ہوں میں سر کے بل گیا ہوں

O

جب ترا ذکر کسی سے کسی محفل میں سنا
گیت اک گونجا لوگوں نے مرے دل میں سنا

تیرے دیوانے کو کیا کچھ نہ کہا دنیا نے
تیرے سودائی نے کیا کچھ نہیں مشکل میں سنا

کشتیاں ہم نے کناروں پہ اُلٹتی دیکھیں
ذکرِ طوفاں کا بھی افسانۂ ساحل میں سنا

جس نے ویرانیِ صحرا کو عطا کی عظمت
نوحۂ درد وہی پردۂ محمل میں سنا

اہلِ زنداں نے کہ نسبت ہے جنوں سے جن کو
نغمۂ موسمِ گل شورِ سلاسل میں سنا

○

ہم گوشہ نشیں انجمن آرا نہیں ہوتے
لیکن کبھی خلوت میں بھی تنہا نہیں ہوتے

آنکھوں سے پیا کرتے ہیں وہ دیرِ مغاں میں
زاہد کے لئے ساغر و مینا نہیں ہوتے

دنیا سے برتنے کا طریقہ نہیں آتا
ہم سے تو ہمارے بھی شناسا نہیں ہوتے

بیمارِ اجل چارہ ہے میرا دلِ محزوں
مائل بہ کرم میرے مسیحا نہیں ہوتے

سنگِ درِ محبوب جبیں اہلِ وفا کی
ہم سے بھی کہیں ناصیہ فرسا نہیں ہوتے

○

ہم سے زینت ہے دردِ پیہم کی
ہم سے باقی ہے آبرو غم کی

بات پوچھی ہے چشمِ پُر نم کی
تم نے رکھ لی ہے آبرو غم کی

مجھ کو ردِّ عمل کا خدشہ تھا
میں نے تیری بھی آرزو کم کی

اب تو ان کا بھی غم نہیں باقی
یہ تو معراج ہے مرے غم کی

چہرے اُترے ہوئے سے ہیں سب کے
شہر تصویر ہے مرے غم کی

سرد خانے کی لاش سا دل ہے
کیسی ٹھنڈی ہوا چلی غم کی

اِن کو مٹی میں کیوں ملاتے ہو
اشک ہوتے ہیں آبرو غم کی

ہم ابھی شہر میں ہیں تووارد — ہم کو عادت نہیں پڑی غم کی

پھر کسی نے مزاج پوچھا ہے — پھر طبیعت کسی نے برہم کی

یاد نشتر لگا گئی شاید — زخمِ دل کو طلب ہے مرہم کی

پھر وہی ذکرِ کاکل و گیسو — بات تو تھی نصیب کے خم کی

ان کی جنّت تھی ان کی ہے دنیا — بات کرتے ہیں پھر بھی آدم کی

شہر کا غم تو ہے اجل چارہ — اب ضرورت ہے ابنِ مریم کی

دشت پیما نہیں ہیں رم دیدہ — ویسے صحرا میں رسم ہے رم کی

کس کو یاد آئے ڈوبنے والے

شب کو ساحل پہ روشنی چمکی

○

دلکشیِ صحرا کی کم ہوتی تو گھر کی سوچتے
ہم شکستہ پا بھی انجامِ سفر کی سوچتے

آستینوں میں چھپا رکھا تھا یاروں نے انہیں
سنگ اٹھائے دیکھتے اُن کو تو سر کی سوچتے

اب نشیمن کا نشاں باقی نہ گلشن کے نقوش
ہم خزاں پروردہ اب کیا بال و پر کی سوچتے

اشک رُک جاتے سکوں ملتا کہیں تو بات تھی
آپ آتے ہم بھی زخمِ چشمِ تر کی سوچتے

ہم کو فرصت گر غمِ دنیا سے مل جاتی کبھی
ہم بھی اہلِ دل تھے رخسار و نظر کی سوچتے

بام و در کو ایک جا کرنے سے گھر بنتا تو ہم
دشت پیمائی نہ کرتے بام و در کی سوچتے

○

خرد مندوں سے داناؤں سے لینا
شعورِ غم مسیحاؤں سے لینا

خیالِ زلفِ جاناں ابر آسا
اماں چاہو تو اس چھاؤں سے لینا

تمہارے منتظر خارِ مغیلاں
جنوں کی داد صحراؤں سے لینا

اضافہ دردِ بے پایاں میں ہو گا
خراجِ غم تمناؤں سے لینا

بنے گی بادباں موجِ بلا خیز
مدد طوفاں میں دریاؤں سے لینا

جنوں دشمن خرد کی رہنمائی
ہمیں کیا ایسے داناؤں سے لینا

سمن پیکر ہو تم گلشن کی زینت
تمہیں کیا دشت پیماؤں سے لینا

○

جیسے گرما میں آسماں خالی　　یوں ہے دل کا مرے جہاں خالی

یاد رخصت ہوئی تو غم آئے　　دل کی محفل ہوئی کہاں خالی

تیرا پیماں غزل ہے شاعر کی　　لفظ خالی ہیں سب بیاں خالی

اور بھی ہیں وفا کے دعویدار　　ایک میرا ہی امتحاں خالی

کون ساحل پہ لے کے جائے گا　　موج ساکت ہے بادباں خالی

بستے گھر میں تو روشنی ہو گی   دل ہمارا ہے اِک مکاں خالی

زندگی کا نشاں نہیں ملتا   دل تو دل ہے رواں رواں خالی

اب ہیں کردار ہم فسانوں کے   اب تو باقی ہے داستاں خالی

کون آئے گا شہر میں دل کے   راہ سنسان سب مکاں خالی

ان کا ترکش نہیں ہے دل میرا   دوست لہرائیں اب کماں خالی

آگ تھی تو دُھواں اُٹھا دل سے

دل ہمارا نہیں دُھواں خالی

○

غم کی ہے زخموں کی ہے یادوں کی ہے
یہ حکایت خانہ بربادوں کی ہے

کون سا گوشہ نہیں محوِ فغاں
آسماں تک گونج فریادوں کی ہے

دل فروزیدہ شبِ غم ہے اگر
روشنی اس میں تری یادوں کی ہے

ہم خزاں انجام ہم صحرا نصیب
فصلِ گل قسمت چمن زادوں کی ہے

دل پہ اب فرمانروائی حُسن کی
اب یہ محفل فتنہ ایجادوں کی ہے

○

تاریکیِ غم یوں کبھی سر تو نہیں ہوتی
سورج کے نکلنے سے سحر تو نہیں ہوتی

ہر گام پہ کیوں سجدوں کی بارش ہے جبیں سے
ہر راہگذر آپ کا در تو نہیں ہوتی

اِک اپنی کشش حُسن میں ہے سانپ کے لیکن
جو چیز چمکتی ہے وہ زر تو نہیں ہوتی

تخلیق کوئی اور ہو رہنے کا طریقہ
اب زندگی یوں ہم سے بسر تو نہیں ہوتی

منزل نئی منزل کے لئے سنگِ نشاں ہے
منزل کبھی تکمیلِ سفر تو نہیں ہوتی

دیکھا جو مجھے اور تھا اندازِ نظر کا
ایسی تری محتاط نظر تو نہیں ہوتی

ہمراہ مسافر کے رواں یہ بھی ہے لیکن
یہ گردِ سفر رختِ سفر تو نہیں ہوتی

○

نُور تاروں میں گلوں میں رنگ بو جایا کریں
لمحہ بھر وہ میرے غمخانے میں ہو جایا کریں

بے رُخی کی یہ شکایت ہو انہیں اور آپ سے
آپ اُن کو دیکھ کے یوں تو نہ کھو جایا کریں

چھوڑنا منجدھار میں لے جا کے بات اچھی نہیں
ناخدا لوگوں کو ساحل پر ڈبو جایا کریں

ہوش گر زو بینش کا کوئی نہ ہو ایسا بھی کیا
ان سے مل کے اہلِ دل بیخود نہ ہو جایا کریں

محفلیں یاروں کی ماضی کا فسانہ ہو گئیں
اب کہاں تم ہی کہو اے سانجھو جایا کریں

○

تو کہ نزدیک ہے دل سے رگِ جاں کی مانند
ذکر تیرا ہے مرے لب پہ فغاں کی مانند

وقت مصروفِ سفر آبِ رواں کی مانند
ہم وہیں پر ہیں ابھی سنگِ نشاں کی مانند

برف آلود سہی اس کی خموشی لیکن
دل ہے سوزندہ مرا شعلہ فشاں کی مانند

موسمِ گل سے بھرم لالہ و گل کا باقی
ہم تری بزم میں ہیں روحِ رواں کی مانند

تم کہ منزل ہو مری دور نہیں ہو لیکن
راہ میں اہلِ جہاں کوہِ گراں کی مانند

خار صحرا کے کسک غم کی ہو دل میں جیسے
دشت کی دھوپ مرے قلبِ تپاں کی مانند

میرا اندازِ بیاں میری خموشی کی دلیل
تیری خاموشی بھی ہے حسنِ بیاں کی مانند

آپ کا غم ہے مرے دل میں یقینِ محکم
آپ کے دل میں مری یاد گماں کی مانند

زخم یادوں کے ابھر آئے شبِ غم دل پر
روشنی تاروں کی ہے نوکِ سناں کی مانند

کوئی بیدار کبھی ہو گا سحر کے ہنگام
نالۂ دل ہے مرا بانگِ اذاں کی مانند

درد آشام بھی ہوتے ہیں بلاکش ہم سے
چشمِ ساقی ہے اگر رطلِ گراں کی مانند

○

منزلیں باقی نہ ہوں گی فاصلے رہ جائیں گے
راستہ تکتے ہوئے سب راستے رہ جائیں گے

سنگدل دنیا نہ پوچھے گی کبھی احوالِ دل
آپ کی آنکھوں میں آنسو ہیں بھرے رہ جائیں گے

فصلِ گل ہو جائے گی رخصت ترے جانے کے بعد
گلستاں میں پھول کچھ بکھرے ہوئے رہ جائیں گے

اب نہ ہے پتوار ہاتھوں میں نہ ہے باہوں میں زور
ہم کو یوں لگتا ہے ساحل سے پرے رہ جائیں گے

گاؤں کی اونچی حویلی ایک دن گر جائے گی
گاؤں میں بس مالکوں کے مقبرے رہ جائیں گے

دشت میں شاید ملیں انساں کے پاؤں کے نشاں
شہر خالی ہوگا خالی راستے رہ جائیں گے

قافلہ ان کو سنبھالا دے کہاں فرصت اسے
راستے میں جو گرے تھک کر گرے رہ جائیں گے

وقت کم ہے پاس میرے ہم نشیں مصروف ہیں
مجھ کو ڈر ہے گیت میرے ان سنے رہ جائیں گے

دل مقفل تم اگر کر لوگے یاروں کے لئے
ذہن کے کچھ چور دروازے کھلے رہ جائیں گے

چارہ گر کرتے ہی رہ جائیں گے درماں کی تلاش
غم کے مارے منتظر غم جھیلتے رہ جائیں گے

محفلوں میں ہوگا غم ناآشناؤں کا ہجوم
اور ہم جیسے خلوصِ دل لئے رہ جائیں گے

وقت کا مرہم مؤثر زخم لیکن دل کے ہیں
ان سے خوں رستا رہے گا یہ ہرے رہ جائیں گے

زاہدوں کو راس کیا آئے گی جنت کی فضا
حشر کے دن بھی یہ سجدے میں پڑے رہ جائیں گے

کچھ خلش دل کی کہے گی کچھ رہ و رسمِ جہاں
وہ مجھے پہچانتے پہچانتے رہ جائیں گے

دوستو ان محفلوں کو منتشر ہونے نہ دو
سلسلے ٹوٹے تو پھر ٹوٹے ہوئے رہ جائیں گے

شہر کی تاریخ دہرائے گی افسانے بہت
شہر میں یادوں کے سونے مقبرے رہ جائیں گے

ظلمتِ غم کب بجھا سکتی ہے یادِ دل کے چراغ
کچھ دیئے آندھی میں بھی جلتے ہوئے رہ جائیں گے

○

جس کو دنیا سے حشر نام ملا　　تم سا اک اور خوش خرام مِلا

ہم بھی خاکِ درِ حبیب ہوئے　　کتنا اُونچا ہمیں مقام مِلا

لوگ کہتے ہیں ہم کو دیوانہ　　ہم تھے بے نام ہم کو نام مِلا

شب نے پہنچائی یاد کی خوشبو　　چاند نکلا ترا پیام مِلا

گل میں لالہ میں ماہ و انجم میں　　حُسن اس کا نظر کو عام ملا

جیسے بچھڑا ہوا ہو مدّت سے — یوں لپٹ کر لبوں سے جام ملا

تیرہ بختوں سے آپ کا ملنا — جیسے شب سے مہِ تمام ملا

غم جو شب بھر ہمارے ساتھ رہا — ہم رکابِ سکوتِ شام ملا

اور سب کچھ جہاں میں تھا کمیاب — غم جو مانگا کسی نے عام ملا

ہم تو نکلے تھے جستجو میں تری — ہم کو جلووں کا اژدہام ملا

دن میں پاشا تھا کس قدر خاموش

شب کو تاروں سے ہمکلام ملا

○

ذرا رُوپ اپنا سنوار لے ذرا رنگ اپنا نکھار لے
اسے حوصلہ ہو خطاب کا تو کسی کا نام بہار لے

کہیں منسلک نہ کرے کوئی مرے ذکر کو ترے نام سے
ترا غم جبیں پہ ہے منتشر ذرا زلف تُو بھی سنوار لے

تری زلف کا جو اسیر ہو اسے کیا رہائی کی آرزو
اُسے کون لائے گا ہوش میں جو نظر سے تیری خمار لے

کہاں مل سکے گی وفا تجھے نہ تلاش کر تو سمور کی
تری زندگی شبِ سرد ہے تو سرِ تنور گزار لے

پھرے دربدر کوئی کب تلک کوئی ہم سے بھی تو وفا کرے
غمِ زندگی نہ پناہ دے تو پناہ میں غمِ یار لے

مرے دل کی ہے یہی آرزو ترا ذکر اب سرِ عام ہو
یہی ضد بھی میرے جنوں کی ہے ترا نام اب سرِ دار لے

مجھے اس جنوں کی تلاش ہے جو فلک سے چھین لے کہکشاں
مجھے اس نظر کی ہے جستجو جو زمیں پہ چاند اُتار لے

○

کون سا جرم ہوا ہے ہم سے　　جس کو دیکھو وہ خفا ہے ہم سے
بات بنتی ہی نہیں ہے کوئی　　جیسے ناراض خدا ہے ہم سے

ہم سے زندہ ہے دفا کی عظمت　　ہم وفا سے ہیں وفا ہے ہم سے
کس کو اُمید تھی یوں بھی ہو گا　　زندگی ایک دغا ہے ہم سے

اجنبی کون ملا رستے میں　　حالِ دل پوچھ رہا ہے ہم سے

کتنی بیدرد ہے دنیا اُس نے آپ کو چھین لیا ہے ہم سے

اپنی تقدیر ہمیں ہے معلوم کونسا بھید چھپا ہے ہم سے

معتبر ڈوب کے دریا کو کیا یہ بھی ساحل کو گلا ہے ہم سے

جھوٹ کو جھوٹ سمجھ کر دیکھا جرم اک یہ بھی ہوا ہے ہم سے

ہم اسی طور ہیں ویراں اب تک دشت آباد ہوا ہے ہم سے

نغمگی ہم سے ترے نغموں میں ہم نوا رنگِ نوا ہے ہم سے

ہم فرو دست فسردہ ماندہ ہیں بخت بھی روٹھ گیا ہے ہم سے

اس کی تاریخ مرتّب ہو گی جو بھی دنیا میں ہوا ہے ہم سے

زیست دریا ہے کنارے ہم ہیں ہم ہیں اس سے وہ جدا ہے ہم سے

○

اپنے بارے میں کبھی تم نے جو سوچا ہو گا
ذہن میں نام ہمارا بھی تو آیا ہو گا

مسکراتا ہے ترے پاؤں کی آہٹ سُن کر
ایک دیوانہ سرِ راہ تو دیکھا ہو گا

زندگی دھوپ کی حدّت سے اماں بھی دے گی
دشت میں میرے لئے کانٹوں کا سایا ہو گا

سامنے آیا ہے کچھ اور حقیقت بن کر
مان لیتے ہیں کہ جو دیکھا تھا سپنا ہو گا

جس کو ساحل نے محبّت سے کیا تھا رخصت
اس کو طوفاں نے بھی سینے سے لگایا ہو گا

پشت پر زخم لگا کس لئے مُڑ کر دیکھوں
مجھ کو معلوم ہے کوئی مِرا اپنا ہو گا

روشنی بن کے شبِ غم تو رہے گی خوشبو
زخم کا پھول مرے دل میں مہکتا ہو گا

ہم اگر بیٹھے کہیں تھک کے سفر سے غم کے
اس جگہ آپ کی دیوار کا سایا ہو گا

ہم کو پہچاننے سے تم بھی کرو گے انکار
کس کو معلوم تھا یہ حشر وفا کا ہو گا

○

دل دریا ہے دریا گہرے پر ان سے کہسار بلند　　دل میں مقامِ یار کہاں ہے دل سے مقامِ یار بلند

شب کو سکوں ملتا ہے نہ دن میں ہم سے عداوت دونوں کو　　چاند کا خنجر شب میں دن میں سورج کی تلوار بلند

دستک دی ہے آ کے ہوا نے یا دھڑکن ہے یہ دل کی　　میرے گھر میں کون آئے گا در چھوٹے دیوار بلند

کیسے ناداں ہو ساحل کی آس لگائے بیٹھے ہو　　ناؤ بھنور سے کیا نکلے گی لاکھ کرو پتوار بلند

اپنی ذات مقفل کر لو جھانک نہ لے رہگیر کوئی　　گلی کی جانب اپنے گھر کی اور کرو دیوار بلند

مقصد ہے تضحیک مری اظہار ہے یا ہمدردی کا
چوٹ تو مرے دل پہ لگے اور شور کریں اغیار بلند

موسمِ گل میں اب کے نہیں ہے موسمِ گل کی بات کوئی
پھول نگوں سر ہیں گلشن کے صحرا کے سب خار بلند

بات کہاں تکمیلِ وفا کی منزل یہ آسان نہیں
پست ہے قدِ اربابِ جنوں کا اور فرازِ دار بلند

آ کے گرے گی رفعت سے ساحل کے رہنے والوں پر
دریا کے سینے سے ہوئی ہے پانی کی دیوار بلند

تیرا کرم ہے میری طرف گر تیری نظر اٹھ جاتی ہے
ایک فقیرِ بے مایہ میں اور تری سرکار بلند

شیخ کا استقبال درِ میخانہ پر یوں ہوتا ہے
ساغرِ مے پرچم کی جگہ اب کرتے ہیں میخوار بلند

دھوپ نِستاں میں غائب تاریکی بھی ہے آنگن پر
پیڑ کے پیچھے سورج نکلے اور گھر کی دیوار بلند

دل اک کشتی ڈگمگ ڈولے غمِ طغیانی دریا کی
ڈوبنا ہے کشتی کا مقدر کشتی سے ہے دھار بلند

مرتبہ ان کا بڑھ نہ سکے گا لاکھ کریں تحقیر مری
دوست مجھے نیچا نہ دکھائیں اپنا کریں کردار بلند

○

آتشِ غم یوں بھڑک اُٹھی کہ میرا مَن جلا
شہر سے نکلی جو چنگاری تو سارا بن جلا

شدّتِ فصلِ زمستاں سے ٹھٹھرتا ہے وجود
گرمیِ تن کی ضرورت ہے تو اپنا تن جلا

قدر پہچانیں گے تیرے فن کی پھر دنیا کے لوگ
اپنے ہاتھوں سے سرِ بازار اپنا فن جلا

یوں شبِ غم آتشِ سیال آنکھوں سے بہی
اشک دامن پر گرے میرے مرا دامن جلا

زندگی تپتا ہوا صحرا ہے غم کی دھوپ میں
جو مسافر دُھوپ میں نکلا اسی کا تن جلا

کارفرما یوں بہاروں میں ہوا رنگِ خزاں
آتشِ گل کی تپش سے چہرۂ سوسن جلا

تو کہ اک افسانۂ ماضی ہے اب اُن کے لئے
انتظار ان کا نہ کر یونہی نہ اپنا من جلا

ایک چنگاری محبت کی جلا دیتی ہے گھر
آگ میرے من کی ایسی تھی کہ میرا تن جلا

بن گئی ہے راکھ کا اک ڈھیر میری زندگی
روگ اک ایسا لگا مجھ کو کہ میرا تن جلا

روشنی پھیلی منوّر شہر کی ظلمت ہوئی
پھر ہوا برباد کوئی پھر کوئی مسکن جلا

○

ہر شخص میکدے میں سوالی دکھائی دے
مینا بھی خم بھی جام بھی خالی دکھائی دے

دنیا ہے ایک تلخ حقیقت مگر ہمیں
ہر نقش اس کا رنگِ خیالی دکھائی دے

تیرا خیال یاد تری ہو کہ غم ترا
تیرا پیامِ خیر سگالی دکھائی دے

حائل نہیں رہی ہے مرے ان کے درمیاں
دنیا کی یہ روش تو نرالی دکھائی دے

وہ یم کرم ہیں ان کے ستم بھی ہیں بے حساب
ہر بات اُن کی ہم کو مثالی دکھائی دے

بدلی ہے ایسی رُت کہ رگِ ابر تک نہیں
ساون میں آسمان بھی خالی دکھائی دے

جینے کی بھیک جیسے طلب کر رہے ہوں لوگ
ہم کو تو سارا شہر سوالی دکھائی دے

○

دل کی مشکل غم ہے اِس مشکل کا حل کوئی نہیں
بے بدل جو چیز ہو اُس کا بدل کوئی نہیں

ہے تناور بھی وفا کا پیڑ قد آور بھی ہے
اس کا سایہ دھوپ سا ہے اس کا پھل کوئی نہیں

ہم سخن آرا تو ہیں آرائشِ بزمِ سخن
بات جب کوئی عمل کی ہو عمل کوئی نہیں

کل سحر آئی تھی یوں تو کل بھی آئے گی سحر
ہم ہیں جس عالم میں زندہ اس کی کل کوئی نہیں

یہ غزل گوئی مری اندازِ اک رونے کا ہے
رنگِ خوں اشکوں میں ہے رنگِ غزل کوئی نہیں

○

چشمۂ سوزِ دردِل جاری ہوا
مندمل زخموں سے خوں جاری ہوا

بیقراری کو مری نیند آ گئی
غم سے اِک حکمِ سکوں جاری ہوا

ظلمتوں کو روندتی آئی سحر
تیری نظروں کا فسوں جاری ہوا

اہلِ دل سولی پہ کھنچوائے گئے
چشمۂ فیضِ جنوں جاری ہوا

یاد کیا بیٹھے بٹھائے آ گیا
آنکھ سے دریا یہ کیوں جلدی ہوا

پھر ہوا اعلانِ تکمیلِ وفا
پھر کسی گردن سے خوں جاری ہوا

سنگ یاروں نے اُٹھایا بھی نہ تھا
میرے سر سے پھر بھی خوں جاری ہوا

○

دل ہے بیچارہ اُٹھائے گا کسی کا غم کہاں
دل کا اپنا غم ہی کیا کم ہے پرایا غم کہاں

اہلِ دل کے واسطے یہ مشعلِ راہِ طلب
ضو فشاں ہے چاند کی صورت ہمارا غم کہاں

بات ہے اس کی الگ یہ غم بھی ہے راحت بھی ہے
تم سے دل کو جو ملا کرتا ہے ایسا غم کہاں

پوچھ کے احوالِ دل کچھ چُپ سے ہو جاتے ہیں لوگ
ہم کو بھی حیرت سی ہے ہم نے چھپایا غم کہاں

شہر کی گلیاں بھی اور صحرا بھی دونوں منتظر
دیکھتے ہیں لے کے جاتا ہے تمہارا غم کہاں

○

مال بکاؤ دنیا ساری جب پلّے ہو دھن
جتنے چاہو جسم خریدو جتنے چاہو من

تم نے ہمیشہ اہلِ وفا کو سولی پر کھینچا
شہر کے لوگو میری طرح تم دو نرخ کا ایندھن

میرے فن میں بات نہیں کچھ پھر بھی ہوں فنکار
میں نے اپنا فن بیچا ہے یہ ہے میرا فن

شہر کا منظر بھی بن جیسا ویراں اور اُداس
میرے لئے دونوں اک سے ہیں شہر ملے یا بن

جیسے لوٹ آیا ہو سورج میرے آنگن میں
غم کی دُھوپ کی شدّت کیسے جھیل گیا ہے تن

من کی کالک تن پر آئے جب ظاہر ہو روپ
من کالا ہے من کو ڈھانپے تن کا اُجلا پن

ہم تم دونوں ایک برابر بکنے والی چیز
من کی قیمت میں نے کھری کی تم نے بیچا تن

ہر لحظہ ہر آن ترے آنے کی ہم کو آس
دروازے پر دستک جیسے ہو دل کی دھڑکن

○

شورِ سلاسل زنداں زنداں دیوانوں کے ساتھ چلے
طوفانوں میں جیسے سمندر طوفانوں کے ساتھ چلے

ہم تو خزاں پروردہ ہیں گلشن سے ہماری نسبت کیا
ہم ویرانی دل کی لے کے ویرانوں کے ساتھ چلے

شہر کے لوگو شہر بدر کرنا تو مشکل بات نہیں
انساں وہ جو انساں بن کے انسانوں کے ساتھ چلے

اب تو ہماری زیست ہے اِک پگڈنڈی پُرانی یادوں کی
یہ پگڈنڈی شہروں کھیتوں کھلیانوں کے ساتھ چلے

ساحل کی آسودگیاں تقدیر نہیں ہے موجوں کی
دل کی کشتی دریا دریا طوفانوں کے ساتھ چلے

صحرا ہو یا شہر کی گلیاں چاہے جدھر لیجائے غم
گھر والے تو چھوڑ کے گھر کو مہمانوں کے ساتھ چلے

دل ہے جیسے بھولا مسافر رات کی ظلمت کے ڈر سے
نادانوں کی انگلی پکڑے انجانوں کے ساتھ چلے

○

میں نے سب کی خدمت کی اپنے سے بہتر جانا
لوگ مرے آقا بن بیٹھے مجھ کو احقر جانا

دنیا کے ہاتھوں میں خنجر تیغ ترے ہاتھوں میں
مجھ کو کس نے انساں سمجھا سب نے پتھر جانا

میرے سر کو تیرے در سے نسبت ہے دیرینہ
میں نے تیرے در کو اپنی زیست کا محور جانا

سچ دیرینہ روز سہی تبدیل نہیں ہو سکتا
تیری نظر کو تیر کہا ابرو کو خنجر جانا

کوئی تو ہو جو ہم کو ہمارے گھر کا پتہ بتلا دے
سائے ڈھلے ہیں شام آئی ہے ہم کو ہے گھر جانا

زیست ہماری جیسے خزاں میں روشنی ہو سورج کی
صبح ہوئی تو جینا ، جی کے شام پڑے مر جانا

زہرہ رخوں کی دام طرازی اہلِ وفا کیا جانیں
ہم نے دل آشوب کو دلبر سمجھا دلبر جانا

اُن سے وفا کی داد طلب کی جو تھے وفا کے دشمن
ہم نے کیوں بیدادِ گرداں کو اپنا داور جانا

ہم سے کم ہمت بھی کم ہیں راہِ وفا کے راہی
راہ کے ہر پتھر کو ہم نے سدِ سکندر جانا

اُن کی ایک نظر کی خاطر محفل محفل گھومے
ان کی ایک نظر کو ہم نے اپنا مقدّر جانا

یہ تو وضعداری تھی ہماری جھک کے ملے ہم سب سے
لوگ ہمیں کم مایہ سمجھے ہم کو کمتر جانا

ہم نے حکایتِ غم کی سنائی ہم نے کہی دل بیتی
اس نے ہم کو شاعر سمجھا ہم کو سخنور جانا

○

کتنی آساں ہے میری مشکل بھی
ساتھ وہ بھی ہیں پاس ہے دل بھی

داستاں میرے غم کی تھی لیکن
ساتھ روئے ہیں اہلِ محفل بھی

غم پرایا تھا وہ تو اپنا تھا
ہم کو دھوکا سا دے گیا دل بھی

اس کے اطوار بھی ہیں طوفاں سے
میرا دشمن ہوا ہے ساحل بھی

راستوں نے تو پا لئے راہی
ڈھونڈ ہی لے گی ہم کو منزل بھی

○

ملنے والو ہم سے مل کے دل ہمارا دیکھنا
ہم سمندر ہیں کنارے سے ہمیں کیا دیکھنا

ناخدا موسم ہے کچھ برہم فضا ناراض ہے
بادباں کھولو تو پہلے، رُخ ہوا کا دیکھنا

کتنے طوفاں ہیں یہاں کیسا تلاطم دل میں ہے
اب کنارے توڑ کے پھیلے گا دریا دیکھنا

شہر والو وقت ہے اب بھی بنا لو شہر بند
شہر کی جانب رواں ہے ریگِ صحرا دیکھنا

کب سے محتاجِ کرم ہیں ہم سے برگردیدہ بخت
بن گیا ناسور زخمِ دل مسیحا دیکھنا

رقص میں مصروف خیرہ سرفرازِ دار پر
جاتے جاتے اک نظر سوئے چلیپا دیکھنا

شورساں میں جیسے اک سوکھا ہوا بے بر درخت
کم نگاہو یہ ہے انجامِ تمنّا دیکھنا

پھر بندھی اُمید آیا دل میں جینے کا خیال
پھر سنبھالا دے گیا ہم کو کسی کا دیکھنا

روشنی اُمید کی ساحل پہ رکھ دینا کبھی
ظلمتوں میں گم نہ ہو جائے کنارا دیکھنا

رَت جگوں کے ساتھ پھرتا ہو گا آوارہ کہیں
شہر کی گلیوں میں مل جائے گا پاشا دیکھنا

○

ہمارے ناخدا کشتی کو تنہا چھوڑ آئے ہیں
ہمیں وہ درمیانِ قعرِ دریا چھوڑ آئے ہیں

نکالا شہر سے آخر ہمیں نفرت فروشوں نے
تمہارے غم کو ہم گلیوں میں رسوا چھوڑ آئے ہیں

دلِ مغموم کو تم بھی سہارا دو نگاہوں کا
تمہارے واسطے ہم بھی تو دنیا چھوڑ آئے ہیں

شکستہ پا تھے ہم ان باد رفتاروں سے کیا کہتے
ہمارے ساتھ چل کے ہم کو تنہا چھوڑ آئے ہیں

سرِ صحرا اُٹھے بادل مگر برسے گلستاں پر
جھلستی دُھوپ میں صحرا کو پیاسا چھوڑ آئے ہیں

جہاں چاہیں ہمیں لے جائیں اب مجبوریاں دل کی
محبت جس کی منزل تھی وہ رستا چھوڑ آئے ہیں

چلے آئے تھے اک دن پرسشِ احوال کو وہ بھی
شبِ غم کے لئے گھر میں اُجالا چھوڑ آئے ہیں

جہاں چاہے جدھر موجِ بلا کا رُخ ہو لے جائے
شناور تو نہیں لیکن کنارا چھوڑ آئے ہیں

رہے مصروف اِک مدت مقامرِ خانۂ دل میں
لُٹے ایسے کہ سب اپنا پرایا چھوڑ آئے ہیں

○

غم بھی ملتا ہے انہی سے وہ شریکِ غم بھی ہیں
وہ جفا مشرب سہی لیکن وفا محرم بھی ہیں

رقصگاہِ آب پر عکسِ رواں ہے زندگی
بلبلے جنّتِ نظر بھی مظہرِ ماتم بھی ہیں

میری مجبوری کا یہ عالم بھی دیکھا چاہیئے
مسکراہٹ بھی فروزاں لب پہ آنکھیں نم بھی ہیں

شہر پر ڈالا گیا ہے کتنے مہمانوں کا بوجھ
شہر کے ہر گھر میں کچھ یادیں بھی ہیں کچھ غم بھی ہیں

میری بربادی میں ہاتھ اپنوں کا بھی ہوگا ضرور
خندہ زن دشمن تو ہوں گے مطمئن ہمدم بھی ہیں

آزمائش ساقیِ محکوم کی مقصود ہے
میں بھی ہوں موجود حاضر فدویانِ جم بھی ہیں

ہم شکستہ پا بچھڑ کے رہ نہ جائیں راہ میں
بادِ رفتارو تمہارے قافلے میں ہم بھی ہیں

زندگی کے راستے میں وہ ہیں میرے ہمسفر
میں کہاں تنہا ہوں میرے ساتھ میرے غم بھی ہیں

چشم ظاہر بیں کو نامحرم نظر آئیں تو کیا
مونس و غمخوار بھی ہیں وہ شریکِ غم بھی ہیں

وہ جفا مشرب نگاہیں فتنہ گر طوفاں طراز
وہ نگاہیں زخم دل کے واسطے مرہم بھی ہیں

یہ سفر غم کا ہے اس میں صرف ہو گی زندگی
منزلِ دل دور ہے رستوں میں پیچ و خم بھی ہیں

○

کہتے تھے لوگ موسم قحط الرجال ہے
سنتے ہیں اب تو جنسِ وفا کا بھی کال ہے

غم دھوپ گرمیوں کی بیاباں ہے زندگی
وہ حبس ہے کہ سانس بھی لینا محال ہے

محفل میں اُن کی آیا نہیں کوئی پردہ در
پردہ سا درمیانِ فراق و وصال ہے

وہ اِک نظر جو صورتِ بادِ شمال ہو
دل شہر ہے تپش کا گھٹا کا سوال ہے

ایسا بھی کیا کہ عمرِ گذشتہ کو دوں صدا
دنیا کا ہو کہ ان کا ہو غم لازوال ہے

زندہ اگر ہے شہر میں کوئی غریبِ شہر
احساں نہیں کسی کا اسی کا کمال ہے

رودادِ غم کہ سازِ شکستہ کی ہے صدا
یہ گیت بے سُرا ہے نہ سُر ہے نہ تال ہے

فتنہ ہے گردِ راہ اگر حشر ہے غبار
ایک اِک ادا تمہاری عدیم المثال ہے

میں ہوں تمہارا غم ہے مسافت ہے اک طویل
شوریدہ بخت ہمرہِ شوریدہ حال ہے

○

اک دیا سا جھلملایا تھا ضرور
ذکر اُن کا لب پہ آیا تھا ضرور

جانے کیوں اب اُس کو غم کہتے ہیں لوگ
آپ سے کچھ ہم نے پایا تھا ضرور

خیر مقدم کے لئے طوفاں کے بعد
ناخدا ساحل پہ آیا تھا ضرور

مصلحت نے تھام لی میری زباں
نام تیرا لب پہ آیا تھا ضرور

شہر میں تھا یا کسی صحرا میں تھا
گھر کہیں ہم نے بنایا تھا ضرور

جا کے آبادی پہ برسا پھر کہیں
ابر سا صحرا پہ چھایا تھا ضرور

احترامِ رسمِ دنیا ہی سہی
پرسشِ غم کو وہ آیا تھا ضرور

اِک کسک سی دل میں باقی ہے ابھی
ہم نے کوئی زخم کھایا تھا ضرور

اشک تھے ہم گر کے مٹی میں ملے
اس نے پلکوں پہ سجایا تھا ضرور

زندگانی سے بھی رسم و راہ تھی
دَور اک ایسا بھی آیا تھا ضرور

دھوپ سے ہم کو بھی مل جاتی اماں
دشت میں کانٹوں کا سایا تھا ضرور

ہم سے سادہ لوح تھے ظاہر نگر
تیرا غم دل سے لگایا تھا ضرور

سر سے بہتا خون چوٹ اس کی نہ ہو
سنگ یاروں نے اُٹھایا تھا ضرور

اپنی صورت ہم نہ پہچانے تو کیا
دل نے آئینہ دکھایا تھا ضرور

وہ زیارت گاہِ اہلِ دل نہ ہو
سر کہیں ہم نے جھکایا تھا ضرور

اب تو غم اپنا ہے دل ہے غیر کا
دل تھا اپنا غم پرایا تھا ضرور

○

کمندِ روز و شب میں گردشِ ایّام بھی آئے
مرے زیرِ نگیں یہ توسنِ بدرام بھی آئے

طلوعِ ماہتاب حسنِ جاناں ہو مرے گھر سے
شبِ انجام سے پہلے اک ایسی شام بھی آئے

فنِ تعمیر ہی باقی ہے ماضی کا نمائندہ
مساجد تو بہت ہیں شہر میں اسلام بھی آئے

سفر ہے زندگی کا کیوں نہ ہم سب مل کے طے کرلیں
غمِ جاناں تو ہے دل میں، غمِ ایّام بھی آئے

غریبِ شہر کا گھر بھی ہو روشن اس تجلّی سے
سحر آئی ہے اس کی روشنی کچھ کام بھی آئے

جفا مشرب تھے وہ اہلِ جفا کی خو نہیں بدلی
کئی اَدوار گزرے خوں بہا الزام بھی آئے

حدیثِ غم بغیر اس کے مکمل ہو نہیں سکتی
تمہارا ذکر جب آئے ہمارا نام بھی آئے

ابھی کچھ ملگجا سا اختتامِ شب کا ہے گھر میں
سحر تو ہو چکی سورج کنارِ بام بھی آئے

دوام اس کو دیا ہے وقت کو عظمت عطا کی ہے
وفا کے واسطے زندہ رہے ہم کام بھی آئے

قفس ویراں ہے شاخِ گل اگر آباد ہے اب تک
خطا صیّاد کی ہے ہم تو زیرِ دام بھی آئے

سحر آغاز کی شمعِ سحر تھی بُجھ گئی آخر
یہ کیسے دھندلکے ہیں اب شبِ انجام بھی آئے

کبھی سوچا تو اُبھرے ذہن کے پردے پہ کچھ چہرے
زباں پر ساتھ ان کے بھولے بسرے نام بھی آئے

○

اب کہیں کے نہیں ہیں ہم جیسے
زندگی بن گئی ہے غم جیسے

دل ہے بیچارہ اس طرح مایوس
دستِ نارس تِرا کرم جیسے

ملتفت پھر ہوئی نظر اُن کی
درد ہونے لگا ہو کم جیسے

دامگاہِ خرد میں آوارہ
اور بھی ہیں بہت سے ہم جیسے

ان کی محفل میں یوں بہے آنسو
آنکھ نے کھو دیا بھرم جیسے

زندگی ہم سے یوں گریزاں ہے
ہم کسی کے لئے ہوں سم جیسے

ذکر غم کا لبوں پہ غیروں کے
ہم سے وہ بھی ہوں محترم جیسے

یوں ہے دل میں سکونِ نا تدبیر
اُن کی محفل میں جیسے ہم جیسے

○

رنگ سحر کا لے کر آئے رنگ ہی بن کر شام چلے
سُرخ لہو کی سرخی دے کر ہم سے بدفرجام چلے

مجھ سے جو آغازِ سفر کا پیماں تھا وہ بھول گیا
ساتھ سفر پر نکلے میرے ساتھ مگر دو گام چلے

میں تنہا ہوں لیکن یہ عالم ہے مری تنہائی کا
میں جو چلوں تو میرے جلو میں قافلۂ آلام چلے

موسمِ گل کی یکسانی سے دل اُکتایا لوگوں کا
ساون آئے بادل چھائیں رُت بدلے کچھ کام چلے

تو نے غزل کے رنگ نکھارے تو نے غزل کو خوشبو دی
سکہ بن کے شہرِ غزل میں پاشا تیرا نام چلے

○

ذہن کے پردے پہ کیا سایہ سا لہرایا کبھی
کیا تِری محفل میں میرا ذکر بھی آیا کبھی

صبر کی تلقین سر آنکھوں پہ لیکن دوستو
صبر کی تلقین سے کیا صبر بھی آیا کبھی

کہہ بھی دوں تم سے تو کیا سمجھو گے تم احوالِ دل
دل تو رکھتے ہو بتاؤ زخم بھی کھایا کبھی

منتظر ہو تم سحر کے کیا تمہیں دے گی سحر
روشنی کے ساتھ سورج بھی سکوں لایا کبھی

زندگی صحرا ہے تا حدِ نظر پھیلا ہوا
دھوپ ہے غم دھوپ کا ہوتا نہیں سایا کبھی

جس نے جل تھل کر دیئے تھے زندگی کے مرغزار
آسماں پر ابر ایسا پھر نہیں چھایا کبھی

○

بزم کو نغمگیِ ساز نظر آئے گی
وہ مرا نام لیں آواز نظر آئے گی

میرے احباب کہاں سمجھیں گے اہلِ دل کو
میری ہر بات انہیں راز نظر آئے گی

آپ کا غم ہی رگ و پے میں رواں ہے میرے
زندگی آپ کا اعجاز نظر آئے گی

تم شبِ غم کے اندھیروں میں پکارو ہم کو
روشنی بن کے یہ آواز نظر آئے گی

اب ہے آباد نہاں خانۂ دل میں اپنے
اب کہاں وہ نگۂ ناز نظر آئے گی

○

روشنی رقص کناں چاکِ گلو سے نکلی
صبح کی پہلی کرن میرے لہو سے نکلی

زندگی بیٹھی رہی دیرِ مغاں میں چھپ کر
ہم سے ملنے کے لئے جام و سبو سے نکلی

اب تو ہم دونوں ہیں دریا کے کناروں کی طرح
داستاں اپنی حدودِ من و تو سے نکلی

اس طرح قطع و برید اس کی ہوئی ہے غم سے
زندگی خوار و زبوں کوئے نمو سے نکلی

شہر کی گلیوں میں آ پہنچا ہے طوفاں آخر
کس طرح موجِ بلا سینۂ جو سے نکلی

اپنا کردار تصنع سے چھپایا ہم نے
زشتیِ دامنِ تر حسنِ رفو سے نکلی

شہر کا شہر مہکتا ہے گلستاں کی طرح
ایک خوشبو سی محبت کے لہو سے نکلی

○

اشک جیسے کسی مغموم کی آنکھوں سے گرے
اس طرح اہلِ وفا اُن کی نگاہوں سے گرے

اس کو پازیب کی جھنکار کہا لوگوں نے
گیت جو پھوٹ کے اس شوخ کے قدموں سے گرے

جن غریبوں کے لئے شہر کیا تھا آباد
اشک بن کے وہ زبوں حال تو آنکھوں سے گرے

فصلِ پت جھڑ کی تھی یوں اپنوں نے چھوڑا ہم کو
جس طرح سوکھے ہوئے پتّے درختوں سے گرے

دشت نے بھی تو روش شہر کی اپنائی ہے
خار کچھ اُڑ کے میرے سر پہ بگولوں سے گرے

ہم خزاں دوست بہار اس کو کہیں گے جس میں
نور پھولوں سے بہے رنگ ستاروں سے گرے

ابر کا رُخ پہ نقاب اوڑھ کے نکلا خورشید
یہ سحر کیا ہے کہ ظلمت بھی اُجالوں سے گرے

بات تو جب ہے کہ دامن مِرا تر ہو لیکن
دل تِرا خون ہو آنسو تری آنکھوں سے گرے

جب چلی تیز ہوا ساتھ دیا شاخوں نے
آشیاں جتنے تھے سب اپنے ٹھکانوں سے گرے

○

زندگی بھر آپ کے غم میں گھلے
راز سربستہ نہیں دل کے کھلے

ہم کو اُمیدِ کرم تھی آپ سے
ہم نے لڑیوں میں پروئے بلبلے

وقت نے دھندلا دیئے اس کے نقوش
آنسوؤں سے چہرۂ ماضی دُھلے

شہرِ نا آباد کی صورت ہے دل
نے صدائے نے چراغے نے گلے

میرے غم تیری نظر سے ہوں شمار
برگِ گل پر قطرۂ شبنم تلے

شہر میں دیکھے گئے ہیں راہزن
رہ نہ جائیں گھر کے دروازے کھلے

ہم سے مخلص مفلسی کے باوجود
تھے بہت کمیاب سونے میں تلے

○

غم کے دریا میں جب اس پر موجوں کی دیوار گری
دل کی کشتی ٹکڑے ہو کر ساحل کے اس پار گری

اِک ہلکی سی لہر نے ہم کو اور کیا ساحل سے دور
ایک ہوا کا جھونکا آیا ہاتھوں سے پتوار گری

اہلِ وفا کی قدر نہیں کی شہر کے رہنے والوں نے
سر اُٹھا جس کا اس کی دستار سرِ بازار گری

جانے کیسے میرا نشیمن گلشن میں محفوظ رہا
ہر ڈالی پر دشمن بن کر بجلی تو سو بار گری

دنیا کے میدانِ جدل کا یہ دستور پرانا ہے
سر بھی گرا ساتھ اس کا جس کے ہاتھوں سے تلوار گری

○

اُجالے جس طرح دن کے اندھیری رات میں گم ہیں
اسی انداز سے ہم بھی تو اپنی ذات میں گم ہیں

ہمارے ہمنوا مصروفِ کارِ آشیاں بندی
شجر کی ڈال میں کوئی ہے گم کچھ پات میں گم ہیں

یہ تھا انکار یا اقرار تھا میری محبت کا
کہا تھا آپ نے کچھ ہم ابھی اس بات میں گم ہیں

ہمیں آنے دو دابستہ ہے وقعت ہم سے صحرا کی
جنوں منصب جو ہم سے ہیں ابھی حالات میں گم ہیں

ہمیں پینے کی عادت، زہد کی عادت ہے زاہد کو
مقام اپنا ہے ہم دونوں کا ہم عادات میں گم ہیں

ہمیں دنیا کے ہنگاموں سے کیا لینا کہ ہم جیسے
بھری محفل میں رہ کے خلوتِ آفات میں گم ہیں

ادیب و شعر گو خیرات لیتے ہیں ستائش کی
گدا رو شاہ بن بیٹھے ہیں اب خیرات میں گم ہیں

دلِ غمگیں مقامِ اتصالِ قربت و دوری
یہ قربت اور دوری سب ہماری ذات میں گم ہیں

یہ کیسی دھوپ سارے شہر پر ہے تیز بارش میں
یہ کیا رُت ہے گھنے بادل بھری برسات میں گم ہیں

○

جس کے دل کو روگ اہلِ دل کے غم جیسا لگا
دیکھنے والوں کو وہ بیچارہ ہم جیسا لگا

بات کچھ پینے سے پہلے اور تھی پینے کے بعد
میکدے میں جام جو تھا جامِ جم جیسا لگا

دل کی مجبوری کا یہ عالم کبھی دیکھا نہ تھا
کاکلِ جاناں کا خم قسمت کے خم جیسا لگا

اوس کی بوندیں تھیں اس پر اشکِ لرزاں کی طرح
پھول نرگس کا تمہاری چشمِ نم جیسا لگا

مختلف تھا دوسروں سے تیرا اسلوبِ وفا
تیرا اندازِ کرم بھی کچھ ستم جیسا لگا

اس طرح تیری نظر نے آج پہچانا ہمیں
اضطرارِ دل سکون کالعدم جیسا لگا

کیفیت وارفتگی کی سایہ مستقبل کا تھا
دل کا یہ عالم جنونِ محتشم جیسا لگا

ہم قصیدہ گو قصیدہ خواں رہے ہر دور میں
ہر ستم گستر ہمیں اہلِ کرم جیسا لگا

دست و پابستہ ۔ ستم پرورده ۔ دل برداشتہ
جس غریبِ شہر کو دیکھا وہ ہم جیسا لگا

○

منتشر کر دے گا غم ہر گھر کا شیرازہ کھُلا
شہر باشورہ نہ جائے کوئی دروازہ کھُلا

زندگی جیسے ہو غم انجام خوابوں کی کتاب
جب ورق اُلٹا تو اک بابِ غمِ تازہ کھُلا

اہلِ محفل اب تو کچھ اظہار ہمدردی کا ہو
کر چکے ہو اب تو مرے غم کا اندازہ کھُلا

لے گئی سرمایۂ دل ان کی دزدیدہ نظر
رہ گیا ہو جیسے شب میں گھر کا دروازہ کھُلا

دیدہ ور اپنی بصیرت کھو کے نابینا ہوئے
اب کہاں ہو گا کسی کو غم کا اندازہ کھُلا

راہ گم کردہ دلوں کو بھی اماں دیتا ہے دل
روز و شب سب کے لئے ہے گھر کا دروازہ کھُلا

○

رستے غموں کے جاننے والے تو ساتھ لو
شب کا سفر ہے ہم سے اُجالے تو ساتھ لو

پوچھیں گے لوگ تم سے بتاؤ گے کیا اُنہیں
میری حدیثِ غم سے حوالے تو ساتھ لو

ہم کو نہ ہو گا اس کی رفاقت پہ اعتراض
تم سے کوئی نگاہ ملا لے تو ساتھ لو

پانی کی اِک لکیر سمندر سے کیا ملے
دریا نہیں ہو ندّیاں نالے تو ساتھ لو

دُکھ بانٹنا پڑے گا سفر زندگی کا ہے
کچھ بوجھ کوئی اور اُٹھا لے تو ساتھ لو

ساقی کے آستاں سے عقیدت اُسے بھی ہے
زاہد کبھی جو ہوش سنبھالے تو ساتھ لو

تنہا کٹے گی ایسے شبِ تار کس طرح
یادوں کے کچھ حسین اُجالے تو ساتھ لو

○

خلوتِ غم سے رہا ہونے کا احساس تو ہو
تم نہیں پاس اگر کوئی مرے پاس تو ہو

زندگی سے تو ہمیں بیر نہیں ہے لیکن
زندہ رہنے کے لئے دل میں کوئی آس تو ہو

یوں تو ہم اہلِ جنوں شہر میں رہ لیں گے
کچھ گھٹن کم تو ہو کچھ ہم کو فضا راس تو ہو

کاغذی پھولوں سے گھر کیسے بنے گا گلشن
حسن پھولوں کا سہی پھولوں کی بوباس تو ہو

دل میں رہتے ہو نگاہوں سے مری دور سہی
تم جہاں بھی ہو مرے ساتھ مرے پاس تو ہو

شہر کے لوگوں کی تعداد تو گن لی سب نے
ان کے غم کتنے ہیں اس بات کا احساس تو ہو

تیرگی شب کی تو ہے سلسلہ پیوندِ سحر
ختم یہ سلسلۂ تیرگیِ یاس تو ہو

○

دل ہمارا آپ کے جلوؤں کا آئینہ لگے
لوگ جب دیکھیں تو اُن کو وادیِ سینا لگے

زندگی کیسے گزرتی ہے یہ اندازہ تو ہے
دل میں میرے کتنے غم ہیں اس کا تخمینہ لگے

ان کو طوفاں کے علائم بھی نہیں آتے نظر
دیدہ ور اس شہر کے ہم کو تو نابینا لگے

زندگی یوں تو ہے رسمی طور پر جینے کا نام
مہرباں تم ہو اگر مرنا ہمیں جینا لگے

کتنی بربادی ہوئی ہے رات کے طوفان سے
روشنی گھر میں اگر آئے تو تخمینہ لگے

○

دوستو اک ذرا دامن تو بھگو لینے دو
چار آنسو ہیں نکل جائیں گے رو لینے دو

کل ہوا جو بھی اسے کوئی کہاں تک روئے
کل جو ہونا ہے وہ ہو جائے گا ہو لینے دو

کامراں ہو کے جو دنیا سے گیا کون ہے وہ
یہ جوا خانہ ہے کچھ اور بھی کھو لینے دو

دشت کیا جائیں گے ہم آبلہ پائی کے لئے
شہر کے خار ہی پاؤں میں چبھو لینے دو

ہم کو معلوم ہے انجامِ محبت کیا ہے
بُلبلے پانی کے موجوں میں پرو لینے دو

ہم نے مانا کہ علاج اس کا تمہیں ہے معلوم
درد کا لطف تو کچھ چارہ گرو لینے دو

○

وفا کو صورتِ خورشید چمکایا ہے یاروں نے
دیا ہے ساتھ شب پیماؤں کا ہر شب ستاروں نے

انہی کے مقبروں پر شہر با شوہل چلاتے ہو
کٹائے سر تمہارے واسطے جن سر گذاروں نے

جنوں صحرا نشیں ہے گلستاں میں اجنبی تھے ہم
دریدہ پیرہن سے ہم کو پہچانا بہاروں نے

سحر ہی اک دلیلِ اختتامِ شب نہیں ہوتی
سحر کے بعد بھی تارے گنے اختر شماروں نے

ہجومِ اہلِ دل تھا شہر کی ہر راہ پر یوں تو
ہمیں کو زینت افزائے وفا سمجھا نگاروں نے

رہے ہیں زندگی بھر زندگی کے منتظر ہم سے
گزاری کتنی آسانی سے اِن آساں گذاروں نے

نشیمن منتشر ہو کے گرا شاخِ نشیمن پر
ہوا کے ساتھ مل کے یوں ہوا دی شاخساروں نے

کہاں خیرات لی کس کے قدم چومے کہاں رُوئے
کسے معلوم کیسے نام پایا نامداروں نے

ہمیں تحویل میں موجِ بلا کی دے دیا آخر
بلا کے پاس اپنے بیوفائی کی کناروں نے

○

ہم کو جو منزل پہ لے جاتے کہاں اچھے لگے
راستے دل کے جو تھے نامہرباں اچھے لگے

زندگی ہو آپ کا غم ہو کہ دنیا کا سلوک
ہم سے مظلوموں کو سب ایذا رساں اچھے لگے

امتزاجِ رنگ و آتش زینت افزائے بہار
فصلِ گل میں ہم کو جلتے آشیاں اچھے لگے

ہم سے بیگانے بھی ہیں ناراض اپنے بھی خفا
اہلِ دنیا کو برہنہ گو کہاں اچھے لگے

شہر کے مہمان کو گلیاں تو نظر آئی نہیں
شاہراہوں پر کھڑے اُونچے مکاں اچھے لگے

شعر گوئی وجہِ تحسین و ستائش تھی کہاں
اہلِ محفل کو اسالیبِ فغاں اچھے لگے

○

وفورِ غم سے تمنائے بے حساب سے ہم
شبِ فراق چمکتے ہیں ماہتاب سے ہم

ہمیں سے رنگ بھی خوشبو بھی تیرے گلشن میں
روش روش پہ مہکتے ہیں یوں گلاب سے ہم

کسی نے دیکھا — کسی کو نظر نہیں آئے
جہاں کے دشت میں زندہ رہے سراب سے ہم

ستا رہی ہے ہمیں روز و شب کی یکسانی
یہ کتنی دور نکل آئے انقلاب سے ہم

ہماری زیست ہے صحرا میں دھوپ گرما کی
فلک پہ غم کے دہکتے ہیں آفتاب سے ہم

بچھڑ کے تم سے نہیں رُک سکے کبھی آنسو
تمام عمر برستے رہے سحاب سے ہم

O

شبِ غم اِک غریبِ شہر کے یاروں نے بھیجی ہے
یہ تھوڑی روشنی گھر میں جو ہے تاروں نے بھیجی ہے

پیامِ تعزیت آیا ہے ان سے موت پر دل کی
خبر ہے باعثِ تسکیں عزاداروں نے بھیجی ہے

مجھے سرخیل کا رتبہ دیا ہے سرگذاروں نے
یہ خلعت دشت کی پہنائی سے خاروں نے بھیجی ہے

خزاں قسمت سہی، ہم فصلِ گل کو بار تو آئے
جنوں کی یہ قبا ہم کو چمن زاروں نے بھیجی ہے

لگے گی آگ جب گھر میں سماں اِک جشن کا ہوگا
مجھے تحفے میں چنگاری مرے پیاروں نے بھیجی ہے

تباہی بن کے کب پہنچے گی جانے خانۂ دل تک
نظر میرے لئے اک میرے دلداروں نے بھیجی ہے

کئی صدیوں سے ہیں وہ منتظر شاید جواب آئے
فغاں اِک آسماں کی سمت بیچاروں نے بھیجی ہے

مری کشتی کو خطرہ ہے تو اس موجِ زیاں گر سے
مری خاطر جو ساحل سے سبکساروں نے بھیجی ہے

امانت کی طرح کچھ دیر تو رکھا تھا محفل میں
ہماری یاد لوٹا کے ہمیں یاروں نے بھیجی ہے

کسے معلوم ایسی تیرگی شب کو ملی کیسے
یہ ظلمت دل کی ہے یہ ہجر کے ماروں نے بھیجی ہے

صلیب آرائی کو آئے ہیں سوئے شہر دیوانے
نویدِ فصل گل زنداں کی دیواروں نے بھیجی ہے